مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (۱۶/۹۶)

باقیاتِ باقیؔ

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان

گابا ایجوکیشنل بکس
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ کراچی (پاکستان)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (۹۶/۱۶)

باقیاتِ باقیؔ

ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان

گابا ایجوکیشنل بکس

اردو بازار، ایم اے جناح روڈ کراچی (پاکستان)

50/

بہارِ من کہ زجنبیدنِ صبا خُفت است

بگوی بہر دِلم کای صبا کجا خُفت است

مخدومی نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی مرحوم (م ۱۹۵۰ء)

کے نام

ع زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

مقدّمہ

حضرت خواجہ باقی باللہ قدّس سرّہ کے متعلّق ایک تقریب دہلی میں اکتوبر ۱۹۸۹ء میں منعقد ہونے والی تھی۔ راقم الحروف کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ لیکن پھر حاضری نہ ہوسکی۔ اسی تقریب کے سلسلے میں یہ مضمون تیار کیا گیا تھا جو کچھ اضافے کے ساتھ اب نذرِ ناظرین ہے۔

سنہ ۱۹۶۴ء کی بات ہے کہ شیخ محمد اکرام مرحوم کی کتاب "رودِ کوثر" کا تیسرا ایڈیشن نظر سے گزرا تھا۔ اس میں انھوں نے اکبر اور اُس کے ہم نشین فیضی اور ابوالفضل کی "مصلحت پسندی" اور "ترکِ شعائرِ اسلام" کی پالیسی کو بہت سراہا تھا اور اس کے برعکس حضرت مجدد الفِ ثانی قدّس سرّہ کے "جلالی رنگ" (نہی عن المنکر) کی تنقید و تنقیص میں دیباچے سے لے کر کئی سو صفحات تک (بلکہ اپنی دوسری کتابوں میں بھی) بڑا زور صرف کیا تھا۔ راقم الحروف نے اس سے متعلق ایک عرض داشت اُن کی خدمت میں بھیجی تھی جو عرصے تک اُن کی خدمت میں پڑی رہی اور صدائے برنخاست۔ آخر مجبور ہوکر اُس کی نقل شائع کرنی پڑی۔ لیکن مرحوم نے اس عرض داشت پر کچھ اعتراضات اور اپنی اَنا کو قائم رکھنے کے لیے چند دوسری باتیں اُس کتاب کے بعد والے ایڈیشن میں شامل کرکے قارئین کو پھر غلط فہمی میں ڈالنا چاہا، اور (اخلاقی اصول کو پسِ پشت ڈال کر) مجھے مطّلع نہیں فرمایا۔ یہاں

یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ جو عرض داشت شائع کی گئی تھی اُس میں اُن کا اور اُن کی کتاب کا نام ظاہر نہیں کیا تھا (اسی طرح محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب نے بھی اُن کا نام لیے بغیر، اپنی کتابوں میں عہدِ اکبری کے حقائق اس طرح بیان کیے ہیں کہ اُن سے مرحوم کے اعتراضات کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے)۔

مرحوم نے رودِ کوثر کے تیسرے ایڈیشن (صفحہ ۱۵۷) میں فیضی کی تعریف میں لکھا ہے کہ "واقعہ یہ ہے کہ فیضی میں تحقیق و تدقیق کا مادہ بہت تھا اور تقلید کی قید (یعنی شریعت کی پابندی) طبعِ آزاد کو ناگوار تھی" اسی صفحے میں کچھ پہلے یہ بھی لکھتے ہیں کہ "شاید خدا کی راہ میں یہ مخلصانہ کوششیں (یعنی طبعِ آزاد کی کوششیں) مروّجہ (شرعی) عقائد پر فند اور (اسلام کے) ہر مخالف کی تذلیل سے زیادہ مقبول ہوں"۔ یعنی مسلمانوں اور اسلام کی تذلیل کرنے والوں کے خلاف جو حضرت مجددؒ لکھ رہے تھے اُن سے بہتر فیضی تھا۔ اس بیان سے خود مرحوم کے عقائد پتا چلتا ہے۔ بہر حال مرحوم نے بعد کے ایڈیشن میں فیضی کی حمایت ترک کر دی تھی، کیوں کہ شیخ عبدالحقؒ نے اُس کا اور اُس کی "جماعتِ شوم" کا نام لینا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ پھر بھی مرحوم نے اس "جماعتِ شوم" سے ابوالفضل کو الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور شیخ عبدالحقؒ نے جو "دینِ الٰہی" کو اکبری "نبوت" قرار دیا تھا تو اُن کی یہ بات مرحوم نے نہیں مانی۔ حالانکہ اس دور کے وہی ایک بزرگ ہیں جن سے مرحوم اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ مرحوم کو اصرار تھا کہ وہ "دینِ الٰہی" نہیں تھا، حالانکہ اسلام کو ایک ہزار سال کا پُرانا مذہب قرار دے کر ہی اس نئے دین کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ آئینِ اکبری ۳/۲۹۲ میں اس دین کو "نو آئینِ الٰہی" تو کہا ہے)۔ مرحوم اس دین کو کیش، روش [illegible] کہنا چاہتے ہیں۔ گو کہ خود ابوالفضل نے مسلمانوں کو "پیروانِ احمدی کیش" کہا ہے یعنی کیش کو دین کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

مرحوم کو بدایونی سے سخت نفرت تھی، کیوں کہ اُن کو اکبری الحاد سے نفرت تھی۔ مرحوم نے شروع ہی سے اُن کو بُرا بھلا کہا ہے بلکہ جہاں کہیں بدایونی نے بے دین یا

خوشامدی لوگوں پر طنز کیا ہے تو مرحوم بلبلا اُٹھے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ وہ "تقویٰ، پرہیز گاری، مخالفوں سے انصاف، ظاہر و باطن کی ہم آہنگی (سے دور تھا)۔۔۔۔ اُس کی کتاب ایک چالاک بلکہ مکّار وکیل استغاثہ کا بیان ہے" (صفحہ ۱۱۳)۔ لیکن یہ بھی لکھتے ہیں کہ "بدایونی کے سوا دوسرے مؤرخین نے مذہبی تاریخ پر توجّہ نہیں دی (صفحہ ۱۱۴)۔ لیکن مرحوم یہ بھول گئے کہ "سلطانی قہر" کی وجہ سے "دینِ محمد" (۹۸۷ھ) کے بعد مؤرخین اور مصنّفین اپنی کتابوں میں نعت بھی لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو بدایونی ہی کا دل گردہ تھا کہ وہ دربار میں رہ کر اکبری الحاد کے خلاف لکھ رہے تھے۔ کیوں کہ انھوں نے حلفاً کہا ہے کہ "مقصود ازیں نوشتن غیراز دردِ دین و دل سوزی بر ملّتِ مرحومہ۔۔۔۔ چیزے دیگر نہ بود"

بدایونی کو مرحوم نے "چالاک بلکہ مکّار کہا ہے"۔ لیکن یہی اوصاف مرحوم کے لیے یاد آتے ہیں جب وہ رودِ کوثر کے تیسرے ایڈیشن (صفحہ ۲۵۲) میں حضرت مجدّدؒ کے خلاف "فرضی معترضین" کی ایک جماعت (بغیر حوالہ) تیار کر کے اس طرح فرماتے ہیں کہ "معترضین سمجھتے ہیں کہ (حضرت مجدّدؒ کے) یہ بڑے بڑے دعوے جاہلوں کے بہکانے کے لیے ہیں" پھر چالاکی سے اس طرح گہر افشانی کی ہے کہ "یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جس بزرگ کی نیت اور دیانت داری پر شبہہ کیا جاتا ہے وہ کس قدر بلند مرتبہ اور جھوٹے دعووں اور ریاکاری سے کتنا دور ہے"۔ آگے چل کر مرحوم نے تمام معترضین کو اپنی ذات میں جمع کر کے فرمایا ہے کہ "کیا انھوں نے مبتدیوں کو اُلجھانے کا سامان تو پیدا نہیں کر دیا"۔ مرحوم نے ایسے تیر و نشتر دوسرے مقامات پر بھی چلائے ہیں۔

مرحوم نے غالباً لاعلمی کی وجہ سے (جدید ایڈیشن صفحہ ۳۲۷) ایک خاتون کی بیعت کے سلسلے میں حضرت مجدّدؒ کے مکتوب کو "نہایت دلچسپ" کہہ کر ایک طرح کا مذاق اُڑایا ہے۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ سورۃ الممتحنۃ (۱۲) میں عورتوں کی بیعت کے متعلق کیا فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح صفحہ ۲۹۴ - ۲۹۵

میں مراقبے کی تحقیر کی ہے۔ مرحوم کو معلوم نہیں تھا کہ اہل اللہ کا مراقبہ کیا ہوتا ہے اور غارِ حرا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تحنث کیا تھا؟

شیخ محمد اکرام نے ۱۹۴۰ء میں لاہور سے آبِ کوثر شائع کی تھی اور اسے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے نام معنون کیا تھا۔ غالباً اس انتساب کی وجہ سے انھوں نے اس کتاب میں حضرت مجددؒ کا نام ادب سے لیا تھا۔ لیکن بعد میں کسی سیاسی مصلحت کی بناء پر حضرت مجددؒ پر بے جا اور غلط اعتراضات کرنا ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ انھوں نے آبِ کوثر کے صفحہ ۹۵ میں ایک عنوان "دین الہیٰ" رکھا تھا اور صفحہ ۶۷ میں لکھا تھا کہ "بالآخر اسے (اکبر کو) اپنا جدا مذہب دین الہیٰ کے نام سے اختیار کرنا پڑا"۔ اسی کے ساتھ انھوں نے وہ اقرار نامہ بھی نقل کیا ہے جو اکبر کے دین میں داخل ہونے والے کو پیش کرنا پڑتا تھا جس میں "دین الہیٰ اکبر شاہی" کا ذکر بھی ہے اور ترکِ مال وجان وناموس ودین کا عہد بھی ہے۔ شیخ محمد اکرام نے اس اقرار نامے کو نقل کرنے کے باوجود بعد میں رودِ کوثر میں دعویٰ کیا ہے کہ دین الہیٰ کی اصطلاح اکبر کی وفات کے ساٹھ ستر سال بعد پہلی مرتبہ دبستان مذاہب میں استعمال ہوئی اور وہ دین نہیں تھا بلکہ اسے کیش اور روش کہنا چاہیے (حالانکہ وہ ترکِ دین کا بھی اقرار نامہ تھا)۔ افسوس کہ انھوں نے نئی نسل کو حضرت مجددؒ کے خلاف کرنے میں اپنے جاہ ومنصب اور اپنی قابلیت کا غلط استعمال کیا، اللہ تعالیٰ ان کو اور مجھ کو بھی معاف فرمائے۔ آمین

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ حضرت مجددؒ نے مبدأ ومعاد کے منہا ۴۰ میں (اپنے کشف میں) لکھا ہے کہ کچھ فرشتے سجدہ میں تھے اور کچھ نے ابھی نہیں کیا تھا۔ یہ کیسا ہے؟ ۔ بے شک سورۃ الحجر (۳۰) اور سورۃ ص (۷۳) میں ہے: فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون۔ قاضی ثناء اللہ نے تفسیرِ مظہری میں لکھا ہے کہ اجمعون سے اجتماعی حالت ظاہر کرنا مقصود ہوتی تو اجمعین فرمایا ہوتا (نصب کے ساتھ)، کیونکہ حال منصوب ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سبھی نے سجدہ کیا، ایک دم اور ایک ساتھ نہیں۔

احقر

غلام مصطفے خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ آلہٖ وَ اصحابہٖ اجمعین

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حضرت قدس سرہ کے حالات جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود اُس کی رحمت پہ تکیہ کر کے قلم اُٹھاتا ہوں۔ السعی منّی و الاتمام من اللہ۔

آپ کابل میں ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں پیدا ہوئے[1]۔ اسم مبارک محمد الباقی خود آپ نے اپنے کئی رقعات (۷-۸-۳۸-۴۳) میں لکھا ہے[2]۔ آپ کے والد قاضی عبدالسلام سمرقندیؒ "اربابِ فضل وصفا" میں سے تھے۔ ۹۷۸ھ میں جب مُلّا صادق حلوائیؒ حج سے واپسی پر کابل ہوتے ہوئے اپنے وطن سمرقند جانے لگے تو ہمایوں کے چھوٹے بیٹے مرزا محمد حکیم (م ۹۹۳ھ) نے جو کابل کا حکمراں تھا اور درویشوں اور عالموں سے بہت محبت رکھتا تھا، اُن کو درس و تدریس کے لیے وہاں روک لیا۔ حضرت خواجہؒ بھی اُن کے درس میں جانے لگے۔ لیکن جب وہ کابل چھوڑ کر سمرقند

---

[1] یہ حالات خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کی زبدۃ المقامات سے لیے جا رہے ہیں۔ اسی میں آپ کی ولادت کا سال اس طرح لکھا ہے۔ لیکن حافظ عزیز حسن بقائیؒ نے کسی بنا پر سیرتِ باقیؒ (دہلی ۱۹۳۳ء، صفحہ ۱۰) میں ولادت کی تاریخ ۵ ذی الحجہ ۹۷۱ھ لکھی ہے۔ زبدۃ المقامات میں آپ کے اسم گرامی کے ساتھ "رضی الملۃ والدین" لکھا ہوا۔ لیکن آپ کے ملفوظات و رقعات کے جامع نے "مؤید الملۃ والدین الرضی" لکھا ہے اور حضرت مجددؒ نے مکتوبات ۱/۲۹-۲۹۱ وغیرہ میں مؤید الدین الرضی لکھا ہے۔ حضرات القدس (دفتر اول) میں ہے کہ آپ کی والدہ شیخ عمر یاغستانی کے خاندان سے تھیں جو خواجہ احرارؒ کے نانا تھے اور آپ کی نانی سیدہ تھیں۔

[2] آپ کے ایک شعر میں صرف باقی بطورِ تخلص مستعمل ہے:

بغیر آنکہ بر روزِ سیاہ خود گرید
دگر ز دیدۂ باقی چہ کاری آید

(ماوراء النہر) جانے لگے تو اُن کے ساتھ حضرت خواجہؒ بھی چلے گئے اور علوم متداولہ کی تحصیل کرتے رہے۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۶ھ) اُن کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اِن دنوں وہ (مُلّا صادق حلوائیؒ) ماوراء النہر میں درس و تدریس میں مصروف ہیں۔ شعر کا بڑا اچھا سلیقہ ہے اور ادبی ذوق نہایت بلند ہے۔" ① ۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے اپنی یہ تاریخ ۱۰۰۴ھ میں مکمل کی۔ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے تک یا اس کے بعد بھی مُلّا صادق حلوائی، سمرقند ہی میں رہے ہوں اور وہیں کسی وقت حضرت خواجہؒ کو اُن کی خدمت ہی میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہُوا ہو گا۔

اس ذوق کی شہادت "مثنوی قبل از زمانِ درویشی" سے ملتی ہے جو بحرِ سریع مسدس مطوی موقوف جیسی مشکل زمین میں ہے اور جو بلند ذوق والا ہی لکھ سکتا ہے۔ یہ مثنوی اس طرح شروع ہوتی ہے :-

من نہ چنینم کہ نمودِ من است	جائے دگر رقصِ وجودِ من است
نقطۂ محرابِ جماعت منم	دانۂ سیرابِ زراعت منم
ابروی پیشانیِ من دلکش است	قطرۂ نیسانیِ من آتش است
عقل نمک ریزِ کبابِ من است	خونِ جگر نامِ شرابِ من است
مردمکِ دیدہ بہ ہندوئی ام	گوشِ نصیحت بہ رضاجوئی ام

ایسے لطیف استعارے اور دلکش ترکیبیں معمولی استعداد والا شخص استعمال نہیں کر سکتا۔ حضرت خواجہؒ نے سمرقند ہیں چوں کہ علومِ متداولہ کی تکمیل سے پہلے ہی اپنے اندر تصوّف کا ذوق بھی پیدا کر لیا تھا (جیسا کہ مذکورۂ بالا مثنوی سے بھی ظاہر ہے) اور جذباتِ الٰہیہ آپ کے قلب پر شدّت کے ساتھ مستولی ہو چکے تھے۔ اس لیے آپ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ :- ع قطع ایں راہ بجز پائے جنوں نتواں کرد

مرزا محمد حکیم کے زمانے میں خواجہ عبید کابلی رحؒ جو مولانا خواجگی کاسانیؒ

---

① منتخب التواریخ (ترجمہ۔ لاہور ۱۹۶۲ء)۔ صفحہ ۷۰

المتوفی ۹۴۹ھ کے خلیفہ مولانا لطف اللہؒ المتوفی ۹۷۹ھ (۱) کے خلیفہ تھے، طالبان طریقت کی تعلیم میں مشغول تھے۔ اس کے بعد وہ ہندوستان بھی تشریف لائے تھے۔ مرزا محمد حکیم (م ۹۹۳ھ) نے ایک مذہبی فرمان کے تحت اُن کو صوبۂ تبت میں لوگوں کی تربیت کے لیے بھیجا۔ وہیں اُن کا انتقال ہوا۔ اس طرح ظاہر ہے کہ ۹۹۳ھ سے پہلے بھیجا ہوگا اور حضرت خواجہؒ نے جب اُن سے بیعت کی ہوگی تو آپ بہت کم عمر رہے ہوں گے۔ پھر آپ سمر قند میں افتخار شیخؒ کی خدمت میں پہنچے(۱) جو خواجہ احمد یسویؒ ترکستانی(۲) (م ۵۶۲ھ) کے خاندان سے تھے۔ وہ آپ کی توبہ وانابت پر راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ "تم ابھی جوان ہو" لیکن آپ کا ارادہ پختہ تھا اس لیے مجبوراً فاتحہ پڑھی اور فرمایا "خدا استقامت عطا فرمائے"۔ آخرکار

---

(۱) اس تفصیل کے لیے دیکھیں خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نسمات القدس (ترجمہ۔ سیالکوٹ ۱۹۸۹ء)۔ صفحہ ۲۶۷۔ زبدۃ المقامات میں یہ بھی ہے کہ آپ کو استخارہ میں خواجہ محمد پارسا ۸۲۲ھ نے فرمایا تھا کہ سلوک سے پہلے تہذیب اخلاق حاصل کرنا ضروری ہے۔

(۲) نسمات القدس (صفحہ ۲۰۷) میں ہے کہ حضرت خواجہؒ جب بھی سمر قند جاتے قاسم شیخ قالینیؒ کے یہاں قیام کرتے یا اُن کو اپنے پاس بلا لیتے۔ یہ بزرگ پہلے خواجہ دوستؒ (م ۹۷۴ھ) کے مُرید تھے جو مولانا خواجگی کاسانیؒ کے خلیفہ تھے۔ پھر وہ خواجہ دوستؒ کے پیر بھائی درویش بنؒ سے بیعت ہوئے۔ نسمات القدس تاریخی اعتبار سے بھی بہت اہم ہے۔ اس میں حکمرانوں سے متعلق ایسے واقعات ملتے ہیں جو تاریخی کتابوں میں شاذ ہیں۔ دیکھیں صفحات ۱۵۱-۱۵۶-۱۵۷-۱۶۱-۱۶۳-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۷-۲۰۶-۲۱۱-۲۱۲-۲۲۰-۲۳۱-۲۴۶-

(۳) خواجہ احمد یسویؒ کی اولاد میں سے اُنھی کے ہم نام ایک اور نقشبندی بزرگ تھے جن کا ذکر تاریخ کشمیر اعظمی (لاہور ۱۳۰۳ھ) کے صفحہ ۲۰۰ میں ہے۔ اس کے مؤلف خواجہ محمد اعظم شاہ نے (جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مُرید تھے اور ۱۱۷۹ھ میں فوت ہوئے) اُن کو بچپن میں دیکھا تھا۔

اُن کی فراست صحیح ثابت ہوئی اور آپ کی عزیمت ڈانوا ڈول ہو گئی۔ پھر آپ بغیر تصنع و اختیار کے حضرت امیر عبد اللہ بلخی کی خدمت میں پہنچے اور اُن سے تجدید بیعت کی اور مصافحہ کرتے ہی نعمتِ غیر مترقبہ حاصل ہوئی۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ مؤلف حضرات القدس نے خواجہ محمد صدیق بدخشی کی زبانی حضرت خواجہ کی سیاحت اس طرح بیان کی ہے کہ "آپ نے بیعتِ توبہ خواجہ عبید کابلی قدس سرہ سے کی (جو مولانا لطف اللہ کے خلیفہ تھے اور وہ مولانا خواجگی کاسانی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے) لیکن خیالِ رجوع اور عزم ترک، باطن میں مخفی تھا اور توفیقِ استقامت (اس وقت) پیدا نہیں ہوئی تھی، اس لیے دوسری بار افتخار شیخ کی خدمت میں توبہ و انابت کی۔ آپ سمرقند میں تشریف رکھتے تھے اور خانوادۂ خواجہ احمد یسوی قدس سرہ کے اکابرین میں سے تھے۔ اگرچہ آپ اس توبہ (بیعت) کی اجازت نہیں دے رہے تھے اور فرمایا کہ "تم ابھی جوان ہو" لیکن چوں کہ ارادہ پختہ تھا اس لیے حضرت نے فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ خدا استقامت دے۔ اس بزرگوار کے ارشاد کے مطابق یہ عزیمت پھر فسخ ہوگئی اور عجیب و غریب خرابیاں پیدا ہوئیں۔ تیسری بار بغیر ارادہ و اختیار کے حضرت امیر عبد اللہ بلخی قدس سرہ (۱) کے ہاتھ پر توبہ کی۔ تجدید ظاہر ہوئی اور اس مرتبہ کی توبہ جو مصافحہ کے ساتھ تھی با معنی نصیب ہوئی۔ امید ہے کہ اس کی برکات قیامت تک باقی رہیں گی۔ البتہ کچھ مدت تک یہ توبہ نگہداشت کی حدود میں رہی مگر اس پر بھی اسمِ المُضِلّ کی تاثیر غالب آگئی۔ آخرکار اللہ تعالیٰ کی عنایت سے (خواب میں) حضرت خواجہ بزرگ بہاء الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں صورتِ توبہ منعقد ہوئی اور طریقۂ اولیاء میں داخلی ظہور میں آئی۔ بمصداق اس کے کہ الغریقُ یتعلّقُ بِکلِّ حشیشٍ (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہے) میں ہر طرف ہاتھ مارتا تھا، آخرکار بعض بزرگوں نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ذکر متصل ہو کر پہنچتا ہے وہی سود مند ہے۔ چنانچہ یہ آرزو ہوئی کہ اسی بزرگ سے ذکر

(۱) زبدۃ المقامات میں ان کے نام کے ساتھ "مدظلہٗ" لکھا ہے۔ گویا اس کتاب کی تحریر کے وقت وہ زندہ تھے۔

مراقبہ کا طریقہ اخذ کیا جائے۔ پس دو سال تک اسی مخدوم کے سلسلے کے ذکر و مراقبہ اور اوراد کو قائم رکھا۔ اور میں کہیں سن چکا تھا کہ جب تک سالک قریب چالیس سال تک، لا الہ کے میدان کو طے نہیں کر لیتا وہ الا اللہ کی منزل تک نہیں پہنچتا اور میری سادہ لوحی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جتنا وقت ذکر و مراقبہ میں لگ سکے بہت غنیمت ہے اور اسی صورت میں قناعت چاہیے"۔ (۱)

اس کے بعد حضرت خواجہؒ ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں قیام کیا۔ اوپر کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ عبید کابلیؒ سے بیعت کے بعد افتخار شیخؒ سے بیعت چاہی اور انھوں نے فرمایا کہ "تم ابھی جوان ہو" تو اس وقت آپ کی عمر ۱۸، ۲۰ سے کیا کم ہوگی؟ یعنی یہ زمانہ ۹۹۱ھ سے پہلے کا نہ ہوگا۔ پھر تیسری بار جب آپ نے امیر عبد اللہ بلخیؒ سے بیعت کی اور پھر دو سال تک نقشبندی سلسلے کا ذکر و مراقبہ کیا تو وہ زمانہ ۹۹۴ھ کا ہو گیا ہوگا۔ اسی زمانے میں آپ لاہور تشریف لائے ہوں گے اور

---

(۱) مولانا احمد حسین خان: ترجمۂ حضرات القدس (لاہور ۱۳۴۳ھ) صفحہ ۱۱۸-۱۱۹۔ کلیات باقی باللہؒ (ملفوظات و رقعات و مجموعۂ کلام) کے شروع میں حضرت خواجہؒ کے یہی خود نوشت حالات ہیں۔ بعد میں بھی عرض کیا جائے گا کہ کلیات کے جامع یہی خواجہ محمد صدیق کشمی بدخشیؒ تھے۔ وہ گلزار ابرار کے مؤلف محمد غوثی سے ۱۰۱۸ھ میں مانڈو میں ملے تھے جیسا کہ انھوں نے حضرت مجددؒ کے حالات میں اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ یقین ہے کہ انھی سے پوچھ کر محمد غوثی نے حضرت خواجہؒ کے حالات (جو اوپر کے بیانات کے مطابق ہیں) اور حضرت مجددؒ کے حالات لکھے ہوں گے۔ تذکرہ گلزار ابرار ۱۰۳۶ھ میں مکمل ہوا۔ (کابل میں راقم الحروف کو ایک رسالہ "مشائخ طرق اربعہ" حاصل ہوا تھا جس کے متعلق وہاں بتایا گیا تھا کہ حضرت مجددؒ نے وہ رسالہ حضرت خواجہؒ سے لے کر نقل کیا تھا۔ اس میں حضرت خواجہؒ کے مختلف سلاسل کی تفصیل ہے۔ انشاء اللہ ضمیمہ کے طور پر اس مقالے کے آخر میں "وہ" شامل کیا جائے گا)۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ اکبر لاہور میں (۹۹۴ھ تا ۱۰۰۷ھ) تھا۔ یہاں آپ کے بعض "اقران" چاہتے تھے کہ آپ کو "اربابِ عسکر" میں شامل کرا دیں۔ لیکن آپ نے ناپسند فرمایا۔ محمد غوثی نے گلزارِ ابرار میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ کے روزینہ مصارف کی ذمہ داری شیخ فرید بخاری نے لے لی جو اکبر کے بخشی بیگی تھے اور نہایت غریب دوست تھے۔ یہیں آپ نے "سابق برگزیدگانِ خدائی بارگاہ" کے پرانے تذکرے پڑھے تو "سلوک کی شورش آپ کے باطن میں اٹھی" (۱) اور ایک مرتبہ آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ از خود رفتہ ہو گئے۔ پھر حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری قدس سرہ کی روحانیت سے تلقینِ ذکر اور القائے جذبات سے سرفراز ہوئے۔ اس لیے اہل اللہ کی تلاش در تلاش کا جذبہ اور بھی قوی ہو گیا۔ لاہور میں اُس وقت سخت کیچڑ پانی کا زمانہ تھا۔ لیکن آپ ایک مجذوب کے پاس ایسے ہی موسم میں پہنچے۔ وہ گالیاں دیتا، پتھر مارتا اور کبھی ناراض ہو کر دوسری جگہ چلا جاتا۔ لیکن آخر کار وہ مہربان ہوا اور دعا دینے لگا۔ ع سنگ ما دید و دل از شیشۂ مے روی نتافت

۹۹۹ھ میں اکبر نے کشمیر کے میرزا یادگار کی سرکوبی کے لیے شیخ فرید بخاریؒ وغیرہ کو بطور ہراول وہاں بھیجا تھا۔ ممکن ہے کہ اُنھی کے ساتھ حضرت خواجہؒ بھی وہاں تشریف لے گئے ہوں اور وہاں بابا والی ترکستانیؒ کے پاس رہے ہوں۔ وہ بھی سلسلۂ نقشبندیہ میں مجاز تھے۔ اُن کی وفات ۵ صفر ۱۰۰۱ھ کو ہوئی۔ "شیخ کامل" (۱۰۰۱ھ) اُن کی تاریخ ہے۔ (۲)

کشمیر سے واپسی پر آپ ضلع میرٹھ کے مقام پر گڑھ مکتیسر بھی تشریف لے گئے

---

(۱) یہاں تک گلزارِ ابرار سے ماخوذ ہے۔ زبدۃ المقامات میں یہ بھی ہے کہ لاہور کے اس قیام کے زمانے میں کچھ دن کے لیے مجازی محبت بھی پیدا ہو گئی تھی کہ المجاز قنطرۃ الحقیقۃ۔

(۲) خواجہ محمد اعظم: تاریخ کشمیر اعظمی (لاہور ۱۳۰۳ھ) صفحہ ۱۱۰۔ غلام سرور کی خزینۃ الاصفیاء۔ جلد دوم۔ صفحہ ۳۲۷ - ۳۲۸ میں بھی اُن کے حالات ہیں۔

اور وہاں سلسلۂ عشقیہ شطاریہ کے بزرگ خواجہ اللہ بخشؒ (م ۹ رمضان ۱۰۰۲ھ) سے بھی نیاز مند ہوتے (۱) حضرت خواجہؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ "مجبوس حق و مجذوب وجہ مطلق میر سید علی قوام جونپوریؒ (م ۹۵۰ھ) کے مُرید تھے (۲)

پھر آپ (غالباً ۱۰۰۲ھ کے اواخر میں) دہلی تشریف لائے اور چشتیہ سلسلے کے بزرگ شیخ عبدالعزیزؒ (م ۹۷۵ھ) کی خانقاہ میں اُن کے صاحب زادے قطب عالمؒ (م ۱۰۲۴ھ) کے نیاز مند ہوئے۔ غالباً آپ کا یہ قیام دہلی میں پہلی بار ہوا تھا۔ اور ممکن ہے کہ ۱۰۰۳ھ کے اوائل تک رہا ہو۔ اس عرصے میں آپ کا حلقۂ عقیدت بہت وسیع ہو گیا ہوگا۔

کشمیر سے واپسی پر دہلی کے قیام کا ذکر حضرت خواجہؒ کے خود نوشت حالات میں نہیں ہے۔ بابا والیؒ کی وفات کے بعد کا حال خود حضرت خواجہؒ نے اس طرح لکھا ہے کہ " آپ کی وفات کے بعد حضرات خواجگان کی عینیتِ معہودہ کا ظہور ہوا اور ان بزرگوں کی ارواحِ طیبات سے بشارات شروع ہوئیں اور انھوں نے تلقینات فرمائیں۔ بس اُن کی توجہ کی برکت سے اس نسبت میں قوت پیدا ہوگئی اور دائرۂ عینیت میں وسعت ہوئی۔ راستہ زیادہ روشن ہوا اور فی الجملہ جمعیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ اُن کی عنایات کی کشش نے مجھے مخدومی حقائق پناہی، ارشاد دستگاہی حضرت مولانا خواجگی امکنگیؒ قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور آپ ہی کے ہاتھ پر بڑی رغبت اور شغف کے ساتھ بیعت کی اور خواجگانِ نقشبندیہ کا طریقہ اخذ کیا۔ اور حضرتؒ کے طفیل میں اور حضرت خواجہ نقشبندؒ اور اُن کے خلفاء کی ارواح طیبات کے طفیل میں اس راہ کے افتادگان اور نیازمندان میں داخل ہوا"

---

(۱) مولانا نسیم احمد فریدی: خواجہ باقی باللہؒ ...... (لکھنؤ ۱۹۷۸ء) صفحہ ۱۵-۱۷

(۲) کلیاتِ باقی باللہؒ (لاہور ۱۹۶۷ء) صفحہ ۱۴۹۔ لیکن تکمیل الایمان میں اللہ بخشؒ کو شاہ محمد غوثؒ (م ۹۷۰ھ) کا مُرید لکھا ہے (بحوالہ شاہ محمد غوث گوالیاری۔ مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد۔ صفحہ ۱۳۱)

اس عبارت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کشمیر سے واپسی پر آپ دہلی اور لاہور میں بھی قیام پذیر رہے۔ لیکن دہلی میں قطب عالم رحمہ سے نیاز مندی کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے انفاس العارفین میں یہ بھی لکھا ہے کہ اُن سے آپ نے (ابتدائے سلوک میں) کچھ کتابیں بھی پڑھی تھیں[1]۔ اور اُنھی کے ارشاد کے مطابق آپ پیرِ ظاہر سے بیعت کے لیے ماوراءالنہر تشریف لے گئے تھے۔ دہلی سے آپ[2] لاہور (مع رفقاء) تشریف لے گئے۔ زبدۃ المقامات

(۱) انفاس العارفین (ترجمہ۔ لاہور ۱۳۹۴ھ)۔ صفحہ ۶۰-۳۵۳۔

انفاس العارفین میں شاہ ولی اللہ رح نے بہت سی باتیں خاندانی روایت کے مطابق (سُنی سنائی) بھی لکھی ہیں۔ وہ بے شک صحیح ہوں گی لیکن بعض باتوں پر یقین نہیں آتا۔ صفحہ ۳۵۴ میں انھوں نے اپنی دادی کے والد رفیع الدین محمد رح کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھی حضرت خواجہ رح کے خلیفہ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ رح حضرت مجدد رح سے ناراض ہوئے اور وہ سرہند سے معافی کے لیے دہلی پہنچے تو شیخ رفیع الدین رح ہی نے معافی دلوائی تھی۔ لیکن یہ بات کسی معاصر نے نہیں لکھی اور نہ ۳(؟) کوئی امکان تھا۔ ممکن ہے ناراضی کا یہ قصہ شیخ تاج الدین رح سے متعلق ہو جن کی "دماغ خشکی" کا ذکر حضرت خواجہ رح نے رقعہ نمبر ۱۲ میں کیا ہے اور رقعہ ۵ میں "نانِ دیگرے خوردن ودعاے دیگرے کردن" اُنھی کو لکھا تھا کہ وہ نقشبندی ہو کر پہلے والے شعار یہ سلسلے میں لوگوں کو بیعت کر رہے تھے۔ حضرت مجدد رح تو صرف تین مرتبہ دہلی آئے تھے۔ دیکھیں مکتوبات ۱/۲۶۶۔ پھر وصال کے بعد آئے تھے۔ (مکتوبات ۱/۲۹۱)۔

(۲) حضرات القدس (۱/۳۲۵) میں ہے کہ حضرت خواجہ رح جب لاہور میں تھے تو اُس زمانے میں خواجہ حسام الدین احمد اپنی جوانی کے زمانے میں (ولادت ۹۷۷ھ) سیر کے لیے وہاں پہنچے اور نیاز حاصل کیا (حضرت خواجہ ابھی ماوراءالنہر روانہ نہیں ہوئے تھے۔ مولانا فریدی صفحہ ۱۰۶)۔ حضرت خواجہ رح یہ سمجھے کہ وہ کسی امیر کے نام سفارش لینے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ آج کل دہلی سے پروانہ آیا ہے کہ اپنے باکمال مریدوں اور درویشوں کے نام بھیج دوں۔ خواجہ حسام الدین احمد رح نے عرض کیا کہ میں خالصتہً للہ آپ سے ملنے آیا ہوں، کوئی اور غرض نہیں ہے۔ حضرت خواجہ رح نے فرمایا کہ کیوں نہ ہو، آپ تو حضرت مجدد رح کے تربیت یافتہ ہیں لیکن یہ آخری جملہ غالباً نہ فرمایا ہوگا، کیونکہ ابھی تک (۱۰۰۳ھ میں) حضرت مجدد رح بیعت نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اگر حضرت خواجہ رح کا امکنہ سے لاہور واپسی کا زمانہ بھی فرض کیا جائے تو وہ بھی صحیح نہیں، کیوں کہ حضرت مجدد رح تو ۱۰۰۸ھ میں بیعت ہوئے تھے۔

ہیں آپ کے یہ اشعار نقل ہوئے ہیں جن سے آپ کی اُویسیت ظاہر ہوتی ہے :-

شنیدستم کہ مشتاقانِ درگاہ — طلب گارانِ سِرِّ لی مع اللہ
خصوصاً کاشفِ رازِ نہانی — ابوالقاسم چراغِ گورگانی
بخلوت در ہدایت کارش ایں بود — انیسِ خاطرِ افگارش ایں بود
کہ بودش دردِ جاں نامِ اُویسش — کہ باشد شرب از جامِ اُویسش
اویس آسا ازاں بحرِ عنایت — مگر بے واسطہ یابد ہدایت
کیم من کیں ہوس گیرد دماغم — بیابد نور ایں سودا چراغم
دل از ذکرِ اویسم شاد گردد — دماغم زیں ہوا آباد گردد
دریں رہ قدرِ خود چنداں ندانم — کہ دردِ نخلِ ایں سودا نشانم
زبانم زیں تلفظ گرچہ بنداست — سرم بے خواست صیدِ ایں کمنداست
دل اندر شرم و جاں سرگرمِ ایں است — کہ جاناں رحمۃ للعالمین ؐ است (۱)

لاہور ہی کے زمانۂ قیام کا یہ واقعہ ہے کہ ایک مسجد میں فرض نماز پڑھتے وقت ایک مُہیب آواز آپ کے سینے سے نکلی جس سے تمام نمازی حیرت میں ہو گئے۔ نماز کے بعد حضرت خواجہؒ جلد ہی مسجد سے باہر چلے گئے، پھر اپنی قیام گاہ پر دو تین تعلق والوں کے ساتھ ہی جماعت پڑھنے لگے۔ ان معتقدیوں میں سے ایک نے خواجہ محمد ہاشمؒ کو بتایا کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ حضرت کا رُخ تو قبلہ کی طرف ہے لیکن ہماری طرف بھی آپ کی نظریں ہیں۔ میں یہ حالت دیکھ کر کانپنے لگا۔ (خواجہ محمد ہاشمؒ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہمہ وقت تھی)۔

لاہور سے پھر آپ ماوراءالنہر کے لیے روانہ ہونے لگے تو دہلی سے شیخ الہ داد (م ۱۰۵۱ھ) لاہور آ گئے اور آپ کے رفقاء (اعزّہ) کی خدمت اپنے ذمّہ لے لی۔ حضرت خواجہؒ کے رقعہ نمبر ۴۴ میں ہے :-

دریں روز ہا داعیۂ سیرِ ولایت (ماوراءالنہر) قوی گشتہ۔ امید است کہ بعد از

(۱) زبدۃ المقامات میں صرف اشعار نمبر ۲-۴-۶-۹ درج ہیں۔

چند روز دیگر متوجہ شویم ۔ خدمت میاں شیخ الہ داد خویشتن داری کردہ خود را بودن و ماندن قرار دادہ ۔ طوبیٰ لمن یکون معہٗ فیفوز فوزاً عظیما ۔

داغ بے یاری و دردِ بے دلی   ایں ہمہ بر خود پسندیدیم و رفت ....

معلوم نہیں اس رقعہ کا مکتوب الیہ کون تھا ۔ اغلب ہے کہ خود جامع ملفوظات رقعات ہی تھے ۔ اس رقعہ میں مذکورۂ بالا عبارت سے پہلے آپ نے اُن کو اپنی والدہ کی خدمت کے لیے بھی فرمایا ہے اور یہ کہ "مرضیِ ولی نعمت آنست کہ خود را بجانب کابل کشند و بجہتِ شما مددِ معاشی بامدادِ آشنایاں در آن جانب بگیرند ۔ چناں چہ بہ مرزا کوکہ والدۂ ایشاں و بعضے از عوراتِ دیگر ایں معنیٰ را ظاہر ساختہ اند ....." اس عبارت میں "ولی نعمت" سے اگر مراد اکبر ہے تو ۱۰۰۳ھ کے لگ بھگ اُس کا کابل جانا تاریخ میں مذکور نہیں ۔ تاہم اس عبارت سے صاف طور پر واضح ہے کہ حضرت خواجہؒ کا تعلق دربارِ شاہی سے (خواہ شیخ فرید بخاری کی وجہ سے) بہت قریب ہو گیا تھا[1] مرزا کوکہ

(۱) حضرت خواجہؒ کے رقعہ ۸ کے آخر میں جو عبارت ہے کہ "اندیشۂ بادشاہ را در خاطر نیارند" وہ دربارِ شاہی کے قرب کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے لیکن اغلب یہ ہے کہ اہلِ قرب کی پروا نہ کرتے ہوئے حضرت مجددؒ کو اسرار و معارف "بدستِ معتمدے نوشتہ فرستند" کی تاکید کی گئی ہے ۔ حضرت خواجہؒ کے رقعات کا قلمی نسخہ جو مولانا ابوالحسن زید فاروقی صاحب کے پاس دہلی میں ہے اور جس کا ذکر راقم الحروف نے شیخ محمد اکرام کے جواب میں اپنے رسالے کے صفحہ ۲۱ میں کیا ہے اُس میں پوری عبارت اس طرح ہے :- دیگر توجہ نمایند و ببینند کہ ترکِ مشغول ساختنِ مردم نسبت بما مرضی ہست یا نہ ؟ ایضاً ایں جماعت کہ مصاحب باشند ، ایشاں را در صحبتِ دیگراں فرستیم و خود مجرد باشیم مرضی ہست یا نہ ؟ اندیشۂ بادشاہ در خاطر نیارند ، غرض دیگر داریم ، البتہ مکرر در اوقاتِ نیک توجہ نمایند و بدستِ معتمدے نوشتہ فرستند ....." غالباً اکبر ایسے اسرار و معارف والے علماء کو پسند نہیں کرتا تھا ۔ محمد غوثی نے گلزارِ ابرار میں حاجی ابراہیم سرہندی کے متعلق لکھا ہے کہ اُن کو "فیض پہنچانے کے لیے" رنتھنبور بھیجا تھا ۔ وہ قلعہ سے رسی کے ذریعے باہر آنا چاہتے تھے کہ رسی ٹوٹنے سے فوت ہو گئے ۔ مولانا راشد برہان پوری نے بھی اپنی کتاب "برہان پور کے سندھی اولیاء" (صفحہ ۵۵-۵۷-۱۰۷) میں لکھا ہے کہ اکبر نے لطائف الحیل اور جبر و تعدی سے متعدد مشائخ اور صوفیائے کرام کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا تھا ۔"

نے ۱۰۰۲ھ میں حج کیا تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ ۱۰۰۳ھ کے اوائل سے پہلے وہ ہندوستان میں نہ ہوں گے۔ بہر حال اس کے بعد حضرت خواجہؒ ماوراء النہر کے سفر پر روانہ ہوئے (۱) ہوں گے۔ پہلے آپ بلخ پہنچے جس کا ذکر رقعہ ۵۷ میں ہے۔ وہاں مُلّا آکر (مولانا شیر غانی) المتخلص ابن یمین (م ۱۰۰۴ھ) سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی خواجہ عبید کابلیؒ کی طرح مولانا لطف اللہ (م ۹۷۹ھ) کے خلیفہ تھے۔ اس رقعے میں ذکر ہے کہ وہ ان دنوں اپنا دیوان مکمل کر رہے تھے۔ حضرت خواجہؒ نے اُن کے طریقے کو بہت پسند کیا (۲)

حضرات القدس (۱/ ۲۶۷ - ۲۶۸) میں ہے کہ حضرت خواجہؒ کو دو مسئلے (اس راہ سلوک کے) درپیش تھے جو کسی طرح (اور کسی بزرگ کے یہاں) حل نہ ہوتے تھے۔ "حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ نے واقعے میں فرمایا تھا کہ جو شخص ان مسئلوں کو حل کرے گا وہی تمھارا پیر ظاہر ہوگا۔ اس بنا پر آپ جس بزرگ کی خبر سنتے اُس کی ملاقات کے لیے جاتے تھے۔ چناں چہ آپ نے بکثرت مشائخ سے اسی وجہ سے ملاقات کی تھی۔ لیکن اس اشکال کا حل کسی اربابِ کمال سے نہ ہو سکا تھا۔ چُناں چہ آپ بلخ و بخارا کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں بھی بہت سے بزرگوں سے ملاقات فرمائی۔ جب مولانا شیر غانی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں انتہا میں حاصل ہوتی ہیں (اور اُن کے جواب میں انھوں نے بھی کچھ لب کشائی نہ فرمائی)۔ آخر کار مولانا خواجگی امکنگیؒ کی خدمت میں جب آپ پہنچے تو انھوں نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ آؤ بیعت کریں اور اُن

---

(۱) اہل اللہ کی تلاش میں جو صعوبتیں آپ نے اٹھائی تھیں، خود فرماتے تھے کہ "اگرچہ ماریافضاتِ شاقہ چناں کہ بعضے اہل اللہ کشیدہ، نہ کشیدہ ایم۔ لیکن انتظارہا و تلق ہای عظیم دیدہ ایم کہ ریاضتہا و سختیہای شگرف را متضمن بودہ" اور (والدہ ماجدہ) روئے عجز و نیاز بدرگاہِ بے نیاز آوردہ بگریہ و نالہ تمام می گفتند، خداوندا مرادِ فرزندِ مرا در طلبِ تو از ہمہ بگسستہ و از لذتِ جوانی دست شستہ برآوردہ بگرداں یا مرا زندہ مگزار کہ طاقتِ مشاہدۂ ایں ناکامی و بے آرامیِ او ندارم" (زبدۃ المقامات۔ ترجمہ صفحہ ۲۴)

(۲) نسمات القدس۔ صفحہ ۲۶۲ - ۲۶۳

دونوں باتوں کو بغیر آپ کے سوال کے، انھوں نے حل کر دیا۔" ①

ابھی آپ ماوراءالنہر کے ایک شہر میں تھے کہ حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ (م ۱۰۰۸ھ) ایک واقعے میں ظاہر ہوتے اور فرمایا، اے فرزند، میری آنکھیں تمھاری راہ تک رہی تھیں۔" ② حضرت خواجہؒ بہت خوش ہوئے اور اسی موقع سے متعلق آپ نے یہ شعر کہا ہے :-

می گذشتم زغم آسودہ کہ ناگہ زکمیں عالم آشوب نگاہے سر راہم بگرفت

بہرحال جب آپ حضرت مولانا خواجگی امکنگی قدس سرہ کی خدمت میں (بنفسِ نفیس) پہنچے تو آپ پر بڑی عنایتیں اور شفقتیں مبذول ہوئیں اور حالات معلوم ہونے پر تین دن اور تین رات تک خلوت میں بھی رکھا گیا۔ پھر حضرت مولاناؒ نے بعض زائد فوائد سے مطلع فرما کر تکمیل کی خوش خبری بھی سنائی اور ہندوستان واپس جانے کے لیے ارشاد فرمایا تاکہ سلسلۂ عالیہ کو فروغ ہو سکے۔ حضرت خواجہؒ ظاہر انکسار کرتے رہے لیکن حضرت مولاناؒ نے اصرار فرمایا تو آپ نے استخارہ بھی فرمایا جو موافق آیا۔ بعض حضرات کو حضرت مولاناؒ کے اس غیر معمولی کرم کی وجہ سے کچھ شکایت تھی تو فرمایا کہ دوستوں

---

① گلزارِ ابرار میں بھی ان ۲ دو مسئلوں کا ذکر ملتا ہے۔

② حضرت خواجہؒ نے رقعہ ۷ میں حضرت مولانا خواجگی امکنگیؒ کے صاحبزادے خواجہ ابوالقاسمؒ (م ۱۰۲۳ھ) کو لکھا ہے کہ "حضرتِ ایشاں قدس اللہ سرہ ایں گدائے بے حاصل را خود بخود قبول فرمودہ بودند۔ چناں چہ در اوّل وسیلۂ طلب و التماس ہم درمیان نبود ...."

کو علم نہیں کہ اس جوان کو پوری تربیت دینے کے بعد ہی ہمارے پاس بھیجا گیا تھا۔ ①

اس کے بعد حضرت خواجہؒ ہندوستان واپس ہوئے۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ ۱۰۰۳ھ کے اوائل کے بعد آپ ماوراءالنہر کے لیے روانہ ہوئے۔ بلخ میں مولانا شبرغانیؒ (م ۱۰۰۴ھ) سے ملاقات کی جو ۱۰۰۳ھ کے اواخر میں ہوتی ہوگی۔ پھر آپ ۱۰۰۴ھ کے اوائل میں امکنہ پہنچ کر حضرت مولانا خواجگی قدس سرہ سے مستفیض ہوئے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۰۴ھ کے اواخر یا ۱۰۰۵ھ کے اوائل میں آپ پھر لاہور تشریف لائے اور (بقول زبدۃ المقامات) ایک سال تک وہاں قیام فرمایا جب کہ بکثرت علماء اور فضلاء آپ کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں داخل ہوئے۔ ایک سال کے قیام کے بعد ۱۰۰۶ھ کے لگ بھگ دہلی پہنچے ② ۱۰۰۷ھ میں آپ کا قیام دہلی میں یقیناً تھا جب کہ آپ کے ملفوظات کے آخری عنوان "شب پانزدہم ماہ شعبان" کے ذیل میں شرح رباعیات (سلسلۃ الاحرار) کا ذکر ہے کہ وہ وہاں اسی زمانے میں (۱۰۰۷ھ) لکھی گئی تھی۔ دہلی میں آپ کا قیام قلعۂ فیروزی (فیروز شاہ کا کوٹلہ) میں تھا "جو سہ منزلہ بھی ہے، بہت دلکشا اور لب دریا ہے اور وہاں ایک پُر عظمت و برکت مسجد بھی ہے، وہاں آپ اپنی وفات تک رہے اور پھر کسی جگہ منتقل نہیں ہوئے"۔

آپ کے ملفوظاتِ مذکورہ کو مجالس کی شکل میں مولینا رشدیؒ (مولانا محمد صدیق ہدایت کشمیؒ) ③ نے مرتب کیا تھا اور ان

---

① حضرات القدس (۲/۳۹) میں ہے کہ استخارہ میں معلوم ہوا کہ ایک طوطا شاخ پر بیٹھا تھا۔ وہ اڑ کر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر آبیٹھا۔ اس کی چونچ میں حضرت خواجہؒ نے اپنا لعاب دہن ڈالا تو وہ بولنے لگا اور اس نے آپ کے منھ میں شکر ڈال دی۔ اس طوطے سے مراد حضرت مجددؒ تھے (تفصیل دی ہے)۔

② ڈاکٹر سلیم اختر نے کلمات الصادقین کے انگریزی مقدمہ میں (صفحہ ۶-۱۶-۱۸-۲۰) لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ ۱۰۰۸ھ میں دہلی تشریف لائے۔ یہ بات صحیح نہیں۔ اسی طرح صفحہ ۱۶ میں یہ بھی ہے کہ ۱۰۰۸ھ کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ بھی حضرت خواجہؒ کے مرید اور مجاز ہوئے۔

③ مولانا رشدی دراصل مولانا محمد صدیق ہدایت ہی تھے جنھوں نے اخفائے حال کے لیے حضرت خواجہؒ کے مرثیے میں اپنا تخلص رشدی لکھا ہے۔ تفصیل سے بعد میں عرض کیا جائے گا۔

مجالس کی تحریر کا آغاز یکم صفر ۱۰۰۹ھ سے ہوا تھا۔ پنجشنبہ، ششم صفر ۱۰۰۹ھ کے ذیل میں وہ حضرت خواجہؒ سے ان ملفوظات کو مرتب کرنے کی اجازت حاصل کرنے کا واقعہ لکھتے ہیں کہ بہت اصرار اور عرض و معروض کے بعد اجازت ملی۔ لیکن فرمایا کہ مجھے دکھلا دیا کرو۔ پھر رمضان ۱۰۰۹ھ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ میاں شیخ احمدؒ (یعنی حضرت مجددؒ الفِ ثانیؒ) کی مکرر درخواست پر حضرت خواجہؒ نے مرتب کو اجازت مرحمت فرمائی۔

ان مجالس کی تعداد صرف بیس ہے لیکن ان میں حضرت خواجہؒ کے آخر وقت (۱) تک کے حالات ہیں۔ مُرتّب پابندی کے ساتھ حاضر نہ ہو سکتے تھے۔ درمیان میں دوم جمادی الاولیٰ ۱۰۱۱ھ کے بعد یکم صفر ۱۰۱۲ھ کی مجلس کا حال ہے۔ پھر حضرت خواجہؒ کے وصال (۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ) تک صرف چار مجلسوں کا ذکر ہے۔

یہ مجالس (ظاہر ہے کہ) دین اور شریعت، نیز طریقت کے مباحث سے متعلق ہیں لیکن ان میں بعض تاریخی اور معاشرتی حالات کے اشارے بھی ملتے ہیں۔ مجموعے کے شروع میں حضرت خواجہؒ کے ایک رسالے کی لمبی (۲) عبارت بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کس کس بزرگ کی خدمت میں نیازمند ہوئے۔ یکم صفر ۱۰۰۹ھ کی مجلس میں "کدخدائی" کے ضرر کا ذکر ہے (ممکن ہے کہ اُس وقت تک حضرت خواجہؒ کی شادی نہ ہوئی ہو)۔ دوسرے دن "حضور ذاتی" پر جو بحث ہوئی اُس کا ذکر ہے۔ ۶ صفر کو جامع مُرتّب نے "مجلسِ چند" جو بغیر اجازت تحریر کی تھیں، پیش کیں تو حضرت خواجہؒ کو ناپسند ہوئیں۔ لیکن پھر اسی سال جیسا کہ اوپر عرض ہے ماہ رمضان میں حضرت مجددؒ کی سفارش پر "بعد از تامل و تردد بسیار" اجازت

---

(۱) بعض مجالس کے ذیل میں کبھی کبھی دوسرے دنوں کی مجالس کا حال بھی آ جاتا ہے۔ مثلاً ۶ صفر ۱۰۰۹ھ کی مجلس میں رمضان کی مجلس کا ذکر ہے اور ۲۱ شوال ۱۰۰۹ھ کی مجلس میں دوسرے دنوں کی مجالس کے واقعات بھی آ گئے ہیں۔

(۲) اس رسالے کی عبارت اُس رسالے کی عبارت جیسی ہے جو راقم الحروف کو کابل میں حاصل ہوئی تھی۔ انشاء اللہ ضمیمے میں پیش کی جائے گی۔

ملی ۔ اس سال ۱۱ رمضان کو حضرت جلال تھانیسریؒ (م ۹۸۹ھ) کے ایک مُرید آئے جو روزہ رکھنے کے باوجود کھانا بہت دیر میں یعنی تہجّد پڑھنے کے بعد کھایا کرتے تھے، اُن کی اصلاح فرمائی گئی۔ ۲۱ شوال ۱۰۰۹ھ کی مجلس میں مولانا جامیؒ کی نفحات الانس کے مطالعے کا ذکر ہے۔ اسی سلسلے میں " فرمودند کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ مقتدیانِ را در ہر زمان بطورے می دارد کہ صلاحِ مُریدانِ آں وقت در آن است۔ ہمانا مریدانِ آں وقت راکد خدائی مُضر بود۔" لیکن اُس وقت تک حضرت خواجہؒ کی شادی ہو چکی ہو گی کیونکہ آپ کے بڑے صاحبزادے (خواجہ کلاںؒ) کی ولادت یکم ربیع الاول ۱۰۱۰ھ کو ہوئی تھی اور دوسرے صاحبزادے (خواجہ خوردؒ) چار ماہ بعد یعنی ۶ رجب ۱۰۱۰ھ کو پیدا ہوئے۔ حضرت خواجہؒ خود فرماتے ہیں :-

مابینِ ظہورِ ایں دو گوہر بگذشت چہار ماہ دا کثر

اسی ۲۱ شوال ۱۰۰۹ھ والی مجلس میں آپ کی شرح رباعیات (۱۰۰۷ھ) کا ذکر بھی ہے۔[1] اور پنجاب کے ایک بزرگ شیخ نورالدین کا ذکر بھی ہے جن کی عمر ۱۲۰ سال ہو چکی تھی۔ لیکن نوافل بہت پڑھتے تھے اور جنھوں نے تیس سال تک اپنا پہلو زمین پر نہیں لگایا تھا۔ پھر ذی قعدہ ۱۰۰۹ھ کی چار مجلسوں کا ذکر ہے جن میں شریعت اور طریقت کے مباحث ہیں۔ سلخ ذی قعدہ کی مجلس کے ذیل میں ہے کہ ایک دن حضرت شیخ احمدؒ (مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ) کو سرہند روانہ کیا اور فرمایا کہ ابھی " اخفائے نسبت " کو کام میں لاتے ہوئے فجر کی نماز سے اشراق تک مصلّے پر بیٹھے رہیں لیکن حلقہ نہ کریں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "[2]

---

(۱) یہ شرح رباعیات (سلسلۃ الاحرار) ۱۰۰۷ھ میں مرتب ہوئی۔ اُس کی چند رباعیات (وحدت الوجود سے متعلق) کی شرح خود حضرت خواجہؒ نے کی تھی۔ پھر حضرت مجددؒ نے بھی اس کی تعلیقات لکھیں اور بعد میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی شرح کی توضیح کے لیے تعلیقات لکھیں۔

(۲) حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حضرت مجددؒ تین بار حاضر ہوئے۔ پہلی بار ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ کے آخری دنوں میں۔ دوسری بار ۱۰۰۹ھ میں رمضان سے ذی قعدہ تک اور تیسری بار ۱۰۱۲ھ میں حضرتؒ کے وصال سے چند ماہ قبل۔ لیکن جب واپسی پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

پھر اسی سال کی ۱۳ ذی الحجہ کی مجلس کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہؒ نے ابو عبداللہ مروزیؒ کا قصہ سنایا کہ انھیں جہاں کہیں بزرگوں کی کوئی بات ملتی وہ کسی ہو لکھوا لیتے۔ اس طرح ایک بڑی سی کتاب تیار ہو گئی۔ لیکن اتفاق سے وہ کتاب کسی دریا میں ڈوب گئی تو انھیں بڑا قلق ہوا۔ خواب میں حضرت سہل عبداللہ تستریؒ نے اُن سے فرمایا کہ "عمل بمقتضائے سخنانِ ایشاں باید کرد۔ نوشتن ہیچ نیست"۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ابو عبداللہ مروزیؒ سے فرمایا کہ "بایں صدیق یعنی سہل تستریؒ بگوے کہ سخنانِ ایشاں نوشتن اثرِ محبتِ ایشان است و محبتِ ایشاں عینِ مقصود"۔

اس کے بعد ۱۶۔ ۱۷۔ ذی الحجہ کی مجلسوں کا حال بھی ہے۔ پھر ۱۰۱۰ھ کی صرف ۲ جمادی الاولیٰ والی مجلس کا ذکر ہے۔ اس میں جامع ملفوظات (مولانا رشدیؒ) بعض "ضروریاتِ شرعیہ" یعنی فرزندوں اور عزیزوں کی معاش کی خاطر، حضرت خواجہؒ سے رخصت چاہ رہے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے اُن کے لیے ایک "خوب کردار" شخص کے نام سفارش تحریر فرمائی۔ پھر مولانا رشدیؒ، حضرت خواجہؒ کو عریضے بھیجتے رہے۔ ایک مرتبہ اُن کو "مخدومی حاجی شیخ عبد الحقؒ (شیخ محدثؒ) نے جواب لکھا تو اُس کی پُشت پر حضرت خواجہؒ نے چند کلمات تحریر فرما دیے جو اس طرح شروع کیے تھے:۔

اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰتِ الی النور۔ ہرچہ نوشتنی بود در صحیفۂ بندگانِ مخدومی مندرج است۔ زیادہ چہ نویسم۔ بارے فرصت و قوت بلکہ وقت و نفس را غنیمت شمردہ بمقتضائے آن، زندگانی می باید کرد۔

دریغ کہ این عاجز گرفتار را قوتِ کار نماندہ ورنہ بتوفیق اللہ دریں دو روزۂ عمر دیوانہ وار ماتمِ بازماندگی خود می داشت۔۔۔۔۔

(گذشتہ سے پیوستہ) لاہور میں وصال کی خبر ملی تو واپس دہلی تشریف لاتے۔ اس ایک حاضری کا ذکر مکتوب ۱/ ۲۹۱ میں ہے جو وصال کے بعد ہوئی۔ مکتوب ۱/ ۲۳۳ میں ایک عُرس میں حاضری کا ذکر ضرور ہے۔ لیکن رود کوثر میں صفحہ ۲۵۶-۲۶۰) میں ہے کہ حضرت مجددؒ باقاعدہ عُرس میں شریک ہوتے تھے۔ ایسا کسی معاصرانہ کتاب میں مذکور نہیں۔

رقعات کے بالکل آخر میں یہی رقعہ نمبر ۷۸ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق رح "بہ مستعد مذکور قرابتے داشتند"۔ یہ مستعد وہی جامع ملفوظات (یعنی مولانا رشدی۔ محمد صدیق ہدایت) ہیں۔

جامع ملفوظات اس کے تخمیناً ۲۱ ماہ بعد، پھر یکم صفر سنہ ۱۰۱۲ھ کی مجلس کا ذکر کرتے ہیں اور بعد میں آخری چار مجلسوں کا ذکر ہے جن میں اکثر حضرت خواجہ رح کی بیماریوں اور تکلیفوں کا ذکر آتا ہے۔ آخری مجلس ۲۵ جمادی الاخری سنہ ۱۰۱۲ھ کو حضرت رح کے وصال کا بیان ہے۔ اللہ باقی من کل فان۔

ملفوظات کے آخر میں ایک عنوان "شب پانزدہم ماہِ شعبان" بھی ہے۔ لیکن اس کا سال درج نہیں۔ اسی عنوان کے ذیل میں حضرت رح کی شرح رباعیات کا ذکر ہے کہ "در آن دلا بتازگی تسوید فرمودہ بودند"۔ چوں کہ یہ شرح سنہ ۱۰۰۷ھ میں لکھی گئی اس لیے ظاہر ہے کہ اس عنوان میں بھی سنہ ۱۰۰۷ھ رہا ہوگا جو محذوف ہوگیا۔ عنوان کے نیچے سب سے پہلے جامع ملفوظات نے اپنی شروع کی حاضری کا ذکر کیا ہے کہ :- "روزے در اوائلہا کہ نو تماشائی ایں کارخانۂ بلند قدر بودم۔۔۔؛؛۔ حضرت خواجہ رح نے فرمایا کہ "امشب شب برات است (شنبہ ۱۵ شعبان سنہ ۱۰۰۷ھ / ۳ مارچ سنہ ۱۵۹۹ء) در سلسلۂ شما یعنی چشتیہ، نمازے کہ دریں شب می گذارند چند رکعت است"؛ (۱)

---

(۱) حضرت خواجہ رح کے یہ مخاطب جامع ملفوظات (محمد صدیق ہدایت) ہیں جو ممکن ہے کہ اس زمانے کے مشہور چشتیہ بزرگ قطب عالم (م سنہ ۱۰۲۴ھ) سے پہلے بیعت ہوئے ہوں۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کی خانقاہ میں حضرت خواجہ رح نے دہلی میں قیام کیا تھا اور انھی کے ارشاد کے مطابق آپ (لاہور ہوتے ہوئے) امکنہ تشریف لے گئے تھے۔ مخاطب سے دریافت فرمانا کہ شب برات میں چشتیہ حضرات کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خود آپ ان کی خانقاہ میں زیادہ عرصے مقیم نہیں رہے۔ ورنہ یہ بات ان کو ضرور معلوم ہوتی۔ ملفوظات کے شروع میں حضرت خواجہ رح کے جو خود نوشت حالات ہیں ان میں لیس قطب عالم رح کی خانقاہ میں قیام کا ذکر نہیں ہے۔ حضرات القدس (۱/۳۰۶) میں جس چشتیہ شیخ زادہ کا ذکر ہے ممکن ہے کہ یہی جامع ملفوظات ہوں۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس عنوان کے ذیل میں کئی واقعات مختلف لوگوں سے متعلق ہیں اور شرح رباعیات (سلسلۃ الاحرار) کے متعلق ہے کہ "بجہت رعایتِ ظاہر شریعت ازیں تصنیف خود کہ سخن وحدتِ وجود در آنجا بخوب ترین تدقیقاتِ مبین است نا راضی بودند و می فرمودند از ما ایں تصنیف خوب واقع نہ شدہ و می فرمودند کہ محقق شد کہ در راہ طریق توحید راہے است وسیع و راہِ توحید نسبت بہ آں شاہراہ، کوچہ تنگی بیش نیست۔ ①

حضرت خواجہؒ کی دو۲ بیویاں

ملفوظات میں "در بیانِ بعضے از اطوار حضرت ایشاں" عنوان کے ذیل میں ایک واقعہ آتا ہے کہ حضرتِ خواجہؒ کی والدہ ماجدہ ہی کھانا پکانے کے انتظام میں لگی رہتی تھیں۔ بعد میں بڑھاپے کی وجہ سے جب یہ کام دوسروں کے ذمے ہوا تو اُن کو بڑا رنج ہوا۔ آخر حضرت خواجہؒ نے مجبور ہوکر دوبارہ یہ کام والدہ کے سپرد کردیا۔ لیکن یہ "بی بی بانو کہ زنِ محمد صادق کہ خسر پورہ (یعنی برادرِ زن) حضرت ایشاں باشند و زنِ شیخ محمد صدیق کشمیری کہ بی بی آغا باشد، برائے خمیر نمودن و مدد "در بعضے امور گزاشتند"۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جامعِ ملفوظات کو حضرت خواجہؒ کے ذاتی اور خانگی معاملات میں بھی بہت قرب حاصل تھا۔ ورنہ آج سے چار سو سال پہلے ایک غیر شخص کسی شریف گھرانے کی خواتین کے ناموں سے واقف نہیں ہوسکتا تھا۔

(گذشتہ سے پیوستہ) حضرت خواجہؒ کے رقعے ۴۴-۴۵ کسی کی سفارش میں ہیں۔ ۱۵ رجادی الاخری ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں اسی عزیز کا شکر میں جانا مذکور ہے۔

① حضرت خواجہؒ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ آخر زمانے میں وہ وحدتِ وجود سے آگے کی راہ (وحدتِ شہود) کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ کلمات الصادقین کے مؤلف کو یہ بات الٹی یاد رہی۔ یعنی انھوں نے صفحہ ۱۸ میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ ہی بعد میں وحدتِ وجود کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ یہ بات صحیح نہیں۔ آپ نے تو بعد میں وحدتِ شہود کی تائید فرمائی ہے۔ مثلاً مکتوبات ۲۶۸/۱-۲۷۲ جو کلمات الصادقین کے بعد لکھے گئے تھے۔

نسمات القدس (صفحہ ۲۶۹) میں ایک بزرگ حافظ خیابانی کا ذکر ہے کہ وہ بلخ سے ہندوستان ہوتے ہوئے حج کرنے جارہے تھے تو دہلی میں ۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہؒ سے ملے تھے۔

حضرت خواجہؒ کی پہلی اہلیہ، محمد قلیج خان اندجانی (م ۱۰۲۳ھ) کی بہن تھیں ①۔
یہ اکبری عہد کے منصب دار تھے اور فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہؒ کی دوسری اہلیہ (جن کا ذکر اوپر آیا ہے) محمد صادق "کشمیریؒ" کی بہن ہوں گی۔
یہ وہی محمد صادق کشمیری (ابن کمال الدین حنفی) ہمدانی ہیں جن کے نام، حضرت مجددؒ کے مکتوبات (۱/۱۰۶-۱۰۷ پھر ۲/۲۲-۲۸ پھر ۳/۳۹) ہیں ②۔ یہی کلمات الصادقین کے مؤلف ہیں اور انھی کے ماموں مولانا حسن کشمیریؒ المتوفی ۱۰۵۱ھ (ابن حاجی محمد کشمیریؒ المتوفی ۱۰۰۶ھ) تھے۔ اور مولانا حسن کشمیریؒ وہی بزرگ ہیں جو حضرت مجددؒ کو حضرت خواجہ کے پاس (بیعت کے لیے) لے گئے تھے۔

مذکورۂ بالا عبارت میں اگر کاتب کا تصرف نہیں ہے تو بی بی بالو کے لیے "باشند" اور بی بی آغا کے لیے "باشد" ایک اور امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بی بی بالو کے لیے احتراماً "باشند" لکھا ہوگا کہ وہ حضرت خواجہؒ کی (دوسری) اہلیہ کی بھاوج تھیں اور جامع ملفوظات نے بی بی آغا کے لیے "باشد" اس لیے لکھا ہوگا کہ وہ انھی کی بیوی تھیں۔
اس صورت میں وہ جو اس عبارت میں شیخ محمد صدیق کے ساتھ "کشمیری" لکھا ہوا ہے وہ "کشمیری" نہیں، "کشمی" ہوگا۔ یعنی مولانا محمد صدیق کشمیؒ المتخلص ہدایت (م ۱۰۵۱ھ)۔ جنھوں نے ہر موقع پر اپنا نام پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہے اور حضرت خواجہؒ کے مرثیے میں ہدایت کے بجائے رشیدی تخلص اختیار کیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔

---

① دیکھیں حضرات القدس، دفتر دوم۔ (ترجمہ۔ سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ) صفحہ ۹۱۔ اسی صفحہ میں خواجہ محمد صدیق، اخوند ملا حسن اور جعفر بیگ کا ذکر بھی ہے کہ وہ دہلی میں شیخ تاج الدینؒ سے ملے تھے جنھوں نے محمد قلیج خان کو حضرت مجددؒ سے اپنے لیے معافی دلوانے کے لیے خط لکھا تھا۔ گویا خواجہ محمد صدیق مقربین میں سے تھے۔

② تاریخ کشمیر اعظمی۔ صفحہ ۱۰۴ میں بھی اُن کا ذکر ہے۔ لیکن نام کے ساتھ سود بھی لکھا ہوا ہے اور یہ کہ دامت پورہ (کشمیر) میں اُن کا مزار ہے۔ محمد صادق کشمیریؒ کی کتاب کلمات الصادقین، ڈاکٹر محمد سلیم اختر نے اسلام آباد سے ۱۹۸۸ء میں شائع کی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۷۹ میں انھوں نے اپنی بہن (یعنی خواجہؒ خورد عبداللہ کی والدہ) کا حال لکھا ہے کہ جب وہ شادی ہو کر آئیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ملفوظات کے مذکورۂ بالا عنوان "دربیانِ بعضے اطوارِ ایشاں" کے ذیل میں (شروع میں)[۱] یہ واقعہ بھی آتا ہے کہ ایک مرتبہ اُن کی ایک اہلیہ نے حضرت خواجہؒ سے "بے ادبی" کی تھی تو آپ نے تقویٰ کی وجہ سے "تجدیدِ نکاح" کا خیال ظاہر فرمایا تھا۔ لیکن پھر علماء کے فتویٰ سے وہ خیال ترک کر دیا تھا۔ فصلِ ثانی میں "دربیانِ مسترشدانِ طریقہ" کے عنوان کے ذیل میں ایک طالب کا ذکر ہے کہ وہ دوسرے سلسلوں[۲] سے زیادہ مناسبت رکھتا تھا، اس لیے حضرت خواجہؒ نے اُس کو چار پانچ ماہ تک الگ رکھنے کے بعد اپنے ایک مرید (یعنی شیخ تاج الدینؒ) سے طریقۂ ذکر سیکھنے کی اجازت دی۔ شیخ مذکور نے ایک رات اُس طالب کے یہاں قیام بھی

(گذشتہ سے پیوستہ) تو حضرت قبلہ خواجہؒ کو مختلف شکلوں میں دیکھا کرتی ہیں۔ صفحہ ۲۶۲ میں انھوں نے اپنی کتاب سلسلۃ الصادقین کا ذکر بھی کیا ہے جو نایاب ہے۔ اگر وہ مل جاتی تو بہت سے خانگی تعلقات اور حالات معلوم ہو سکتے تھے۔

(۱) اس عنوان کے ذیل میں یہ بھی ہے کہ آپ کا حجرہ دونوں ازواج کے حجروں سے قریب قریب وسط میں تھا۔

(۲) جامعِ ملفوظات نے یہاں بھی اپنا نام پوشیدہ رکھنے کے لیے خود کو "طالب" کہا ہے۔ وہی ایسے بزرگ ہیں جو پہلے چشتیہ سلسلے میں رہے ہوں گے جیسا کہ ملفوظات کے ایک عنوان "شبِ (شنبہ) پانزدہم ماہِ شعبان (۱۰۰۰ھ)" کے ذیل میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ آپ کے چشتیہ سلسلے میں شبِ نصفِ شعبان میں کتنی رکعت نماز پڑھی جاتی ہے؟ جامعِ ملفوظات (محمد صدیق کشمیؒ) کی اہلیہ بھی حضرت خواجہؒ سے مستفید اور صاحبِ حال تھیں اور اُن کی جماعت میں خواتین کثرت سے شریک ہوتی تھیں۔ دیکھیں زبدۃ المقامات صفحہ ۵۰۵، نیز حضرات القدس ۲/۳۵۹۔ حضرات القدس ۱/۲۶۷ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہؒ کے حالات (قریبی تعلق کی وجہ سے) خواجہ محمد صدیقؒ سے معلوم کیے جا سکتے تھے۔

کیا تو اُس طالب کی اہلیہ نے شوہر کی اجازت سے خود بھی طریقۂ ذکر سیکھا اور اُس پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور خود طالب بھی بے خود ہوگیا۔

حضرت خواجہؒ کے صاحبزادے

حضرت خواجہؒ کے دو صاحبزادے تھے (۱) خواجہ عبید اللہؒ (م ۸ جمادی الآخر سنہ ۱۰۴۳ھ) اور (۲) خواجہ عبد اللہؒ (م ۲۵ جمادی الاوّل سنہ ۱۰۷۴ھ) مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی مرحوم نے اپنی کتاب "خواجہ باقی باللہؒ ......" (لکھنؤ سنہ ۱۹۷۸ء) کے صفحہ ۱۴ پر پھر صفحہ ۴۸ تا ۵۲ میں یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ خواجۂ کلاںؒ (بڑے صاحبزادے) خواجہ عبد اللہؒ تھے اور خواجۂ خورد (چھوٹے صاحبزادے) خواجہ عبید اللہؒ تھے اور یہ بات انھوں نے شیخ محمد ہاشم کشمیؒ اور شیخ بدر الدین سرہندیؒ جیسے قریب العہد مستند اور معتبر بزرگوں کے اقوال سے اعراض کرتے ہوئے کہی ہے۔

مولانا فریدی کی کتاب کے صفحہ ۵۱ - ۵۲ میں خواجۂ کلاںؒ کے مختصر حالات ہیں اور صفحہ ۵۳ سے خواجۂ خورد کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ صفحہ ۵۲ میں وہ سید محمد کمال سنبھلی کی تاریخ اسراریہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ "میرے شیخ نے فرمایا کہ خواجۂ بزرگ (یعنی خواجہ باقی باللہؒ) کے وصال (۲۵ جمادی الآخر سنہ ۱۰۱۲ھ) کے وقت اُن کی عمر دو سال چار ماہ تھی"۔ اِس جملے میں مولانا فریدی نے "میرے شیخ" کے بعد اپنی طرف سے قوسین میں "خواجۂ خورد" کا اضافہ کر دیا ہے۔ حال آنکہ یہاں انھیں "خواجۂ کلاں" لکھنا چاہیے تھا، کیوں کہ انھی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اولاً خواجۂ کلاںؒ ہی اُس وقت دو سال چار ماہ کے تھے یعنی اُن کی ولادت یکم ربیع الاول سنہ ۱۰۱۰ھ کو ہوئی تھی اور خواجۂ خوردؒ تو اُس وقت دو سال کے بھی نہیں ہوئے تھے۔ یعنی اُن کی ولادت تو ۶ رجب سنہ ۱۰۱۰ھ کو ہوئی تھی۔ خواجۂ خوردؒ کی ولادت کی یہ تاریخ خود مولانا فریدی نے بھی صفحہ ۵۳ میں لکھی ہے۔ پھر مولانا فریدی نے صفحہ ۵۴ میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ تاریخ اسراریہ کے مصنّف کا قول ہے کہ۔ خواجۂ خوردؒ "مجھ سے چار روز کم، آٹھ ماہ عمر میں بڑے تھے" اور وہیں اس مصنّف کی ولادت

۱۲ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ لکھی ہوتی ہے، چنانچہ اس قول کے مطابق بھی خواجہ خوردؒ کی تاریخ ولادت وہی ۶ رجب ۱۰۱۰ھ بنتی ہے۔

صفحہ ۵۲ میں مولانا فریدی نے اُن کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ "میرے شیخ اس سال (۱۰۷۳ھ) میں سنبھل تشریف لائے تھے۔ ایک ماہ[1] اور ایک روز غریب خانے پر قیام فرمایا، سنبھل سے واپسی پر دہلی میں شیخ منور بن شیخ عنایت اللہ (جو کہ جوان صالح اور شیخ الہ داد کے پوتوں میں سے ہیں) کے گھر رات کو فروکش ہوئے۔ اتفاقاً اسی رات کو زینے کی کجی کی بنا پر اُن کے پاؤں کو صدمہ پہنچا اور اُسی رات خواجہ کلاںؒ چل بسے"۔ اس عبارت کے آخر میں خواجہ کلاںؒ کا نام ہے لیکن شروع میں پھر "میرے شیخ" کے بعد قوسین میں مولانا فریدی نے خواجہ خوردؒ لکھ دیا ہے جو صحیح ہے، کیوں کہ جس رات خواجہ خوردؒ کے پاؤں کو صدمہ پہنچا تھا اُسی رات خواجہ کلاںؒ کی وفات ہوئی تھی۔ اس بات کی تصدیق خواجہ خوردؒ کے ایک مکتوب کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جو اسی صفحہ میں درج ہے کہ "سبحان اللہ، ہم پائے مرا شکستند وہم بازوے مرا"، یعنی قضاء و قدر نے میری ٹانگ بھی توڑ دی اور میرا بازو بھی (یعنی بھائی)۔

مولانا فریدی نے صفحہ ۵۲ میں خواجہ کلاںؒ کی وفات پر سید محمد کمال سنبھلی کا لکھا ہوا ایک قطعۂ تاریخ نقل کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے :-

چو رفت خواجہ عبداللہ از سرائے فنا	کدام دیدۂ مژگاں کہ دُرِ اشک نہ سُفت
ہزار جاں بفراقش چو گل گریباں چاک	ہزار دل ز جدائیش ہمچو زلف آشُفتہ
کمال از پئے سالِ وصالِ آں خواجہ	چو فکر کرد "بشد آں خواجۂ کلاں" برگفت
	۱۰۷۳ھ

اس قطعۂ تاریخ کے پہلے مصرع میں اگر "خواجہ عبداللہ" پڑھیں (جیسا کہ مولانا فریدی نے لکھ دیا ہے) تو وزن ساقط ہو جائے گا، اور خواجہ عبیداللہ ہی صحیح ہوگا، یا پھر خواجہ عبداللہ پڑھیں تو وزن صحیح ہو سکتا ہے۔ مولانا فریدی نے صفحہ ۴۲ میں شیخ محمد ہاشم کشمیؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "خواب میں خواجہ صاحب (خواجہ

(۱) صفحہ ۷۴ میں بھی اس ایک ماہ اور ایک روز کے قیام کا ذکر ہے۔

باقی باللہؒ) نے دیکھا تھا کہ ایک درویش کہہ رہے ہیں کہ ایک پسر حمیدہ سیر پیدا ہوگا اُس کا نام خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے نام پر عبید اللہ رکھنا" اور یہ کہ مثنوی میں خواجہ صاحب نے اس کا ذکر کیا ہے۔ پھر مثنوی کے جو اشعار پیش کیے ہیں اُن سے (مولانا فرید لکھتے ہیں کہ) یہ پتا معلوم نہیں ہوتی"
مولانا فریدی نے غالباً اپنے مفروضے کی تائید کے خیال سے ان اشعار پر غور کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔ ورنہ شیخ محمد ہاشم کشمیؒ نے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ مبہم نہیں ہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں :۔

در خانۂ کمتریں غلامے   شد بندہ یکے بزرگ نامے
ایں نام خجستہ و ملک زاد   انشاء اللہ شفیع من باد
بر درگہ خواجہ ام رساند   گوید زمن آں سخن کہ داند

یہ "بزرگ نام" بندہ وہی خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کا ہم نام ہے۔
ان اشعار سے پہلے شیخ محمد ہاشمؒ نے چار اشعار اور بھی دیے ہیں جن سے خواجہ زادہ کی تاریخ ولادت ظاہر ہے۔ یعنی :۔

او گشتہ دریں خرابہ منزل   روزِ یکم از ربیع الاوّل
بود آخر عصر کاں یگانہ   اُفتاد دریں سیاہ خانہ
تاریخ شناسِ تیز بیں مرد   "بشگفت بہار" در خط آورد
۱۰۱۰ھ

آخری مصرع میں "بشگفت بہار" کے اعداد سے ۱۰۱۰ھ ہجری بنتا ہے۔
یعنی اس سال خواجہ کلاںؒ یکم ربیع الاوّل کو بعد عصر پیدا ہوئے۔ اور دوسرے صاحبزادے کی ولادت سے متعلق حضرت خواجہؒ کے یہ اشعار ہیں :۔

گل شکرے بو العجبے دست داد   شکرِ ہندی و گلِ تُرک زاد
بلکہ ز کشمیر گُلِ زعفراں   شد شکر آلودۂ ہندوستاں
شاخِ گُل از باغ شتافت   از قدحِ ہند شکر آب یافت
شاخِ نباتے شد ازیں طرفہ فن   اَنْبَتَہُ اللّٰہُ نَبَاتاً حَسَن
[illegible]   آمدہ در عرصۂ [illegible]

گرچہ فرد رفتہ دریں نیک مہد — بار و راست از اثرِ قربِ عہد
آمدہ پس درخمِ ایں تیرہ خمُ — ماہِ رجب بود و صباحِ ششم

آخری مصرع میں خواجہ خوردؒ کی تاریخِ ولادت عجیب انداز سے بیان فرمائی ہے۔ یعنی ۶ رجب کی صبح بھی بتادی اور اس مصرع "ماہِ رجب بود و صباحِ ششم" کے اعداد سے ۱۰۱۰ھ بھی بنا دیا۔ یہ بہت بے مثل تاریخ ہے۔ (۱) اور ان اشعار میں جو پہلا شعر ہے اُس کی وضاحت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مدظلہ نے کلیاتِ باقی باللہؒ (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء) کے مقدمہ "مختصر احوال" کے صفحہ ۱۲ میں اس طرح فرمائی ہے کہ "آپ نے اپنے فرزند کو ایسا گُل شکر یعنی گُل قند بتایا ہے جس کی شکر ہند کی ہو اور پھول تُرک کا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس فرزندِ عالی قدر کی والدہ کشمیر کی تھیں اور پدرِ بزرگوار تُرک ہیں"۔ (۲)

حضرت مجددالفِ ثانی قدس سرہ نے اپنے حسبِ ذیل مکتوبات میں ان دونوں صاحبزادوں کو خطاب فرمایا ہے:۔

دفترِ اوّل مکتوب نمبر ۲۶۶ (۳) (دونوں صاحبزادوں کے نام ہے)۔۔۔ یہ مکتوب

---

(۱) اسی طرح کی ایک تاریخ حضرت مجددؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ کی وفات کی ہے۔ یعنی "روزِ دوشنبہ نہم ربیع الاوّل" اس عبارت سے ۱۰۲۵ھ کے عدد برآمد ہوتے ہیں۔

سرسید کے زمانے میں ایک تاریخ مظفر حسین نے علی گڑھ کے ابتدائی مدرسے کے افتتاح (۲۴ مئی ۱۸۷۵ء) پر اس طرح کہی تھی:۔ تھی فکر مجھکو اک دن تاریخ مدرسے کی
بولا یہ مُلہمِ غیب "اٹھارہ سَے پچھتّر"

"اٹھارہ سَے پچھتّر" عیسوی سال ہے اور انہی الفاظ کے اعداد سے ہجری سال ۱۲۹۲ھ بن جاتا ہے۔

(۲) مولانا زید مدظلہ نے اسی مقدمے کے صفحہ ۱۴ میں واضح فرمایا ہے کہ حضرت خواجہؒ خلج ترک تھے اور آپکی والدۂ ماجدہ سادات کرام میں سے تھیں۔

(۳) مولانا فریدی مرحوم نے صفحہ ۲۴ میں لکھا ہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی کتاب مالا بدّ منہ کے شروع میں عقائد کی جو بحث ہے اُس کا زیادہ تر حصہ اسی مکتوب ۱/۲۶۶ سے ماخوذ ہے۔

تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہے، کیوں کہ اس میں(۱) خواجہ حسام الدین احمد کے احسان کا ذکر ہے کہ انھوں نے دونوں صاحبزادوں کی تربیت فرمائی ہے۔(۲) حضرت خواجہ باقی باللہؒ قدس سرہ کی خدمت میں تین بار حاضری کا ذکر ہے۔(۳) خواجہ محمد معصومؒ نے جواہر، شرح مواقف کو تمام کیا تھا۔(۴) اُس وقت تک حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہؒ کی شرح رباعیات کی شرح مرتب فرمائی تھی۔(۵) حضرت خواجہؒ نے کھانے کھاتے وقت بھی بسم اللہ زور سے پڑھنے کو ناپسند فرمایا تھا، پھر تو سماع، رقص اور وجد کا کیا ذکر؟ مخدوم زادے سرود اور قصیدہ خوانی کی مجلس شبِ جمعہ کو منعقد کرتے ہیں تو کیوں؟۔

دفتر دوم کے مکتوب ۳۵ میں خواجہ عبداللہؒ کو نسبتِ حضور کے شمول اور غلبے پر مبارکباد ہے کہ تین ماہ میں ایسی ترقی کی ہے۔ پھر توحید اور عین الیقین سے متعلق سوالات کا جواب بھی ہے۔ اُن کو پھر اسی دفتر کے مکتوب ۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ معقول و مشہود موہوم و مکشوف سب ماسوا میں داخل ہیں۔

دفتر سوم کے مکتوب ۵۶ میں حضرت مجددؒ نے محبت اور شفقت والی شکایت فرمائی ہے کہ آپ (خواجہ عبداللہؒ) اور خواجہ حسام الدین احمدؒ کے صاحبزادے جمال الدین حسین، سرہند کے قریب پہنچ کر بھی مجھ سے ملنے نہیں آئے۔ (اُس زمانے میں حضرت مجددؒ، چند دنوں کے لیے جہانگیر سے رخصت لے کر سرہند تشریف لائے تھے۔ لیکن اب واپس لشکر کو تشریف لے گئے ہیں۔ صاحبزادہ محمد سعیدؒ کو گھر چھوڑ آئے تھے لیکن اب وہ بھی لشکر میں ہیں)(۲)

---

(۱) حضرت مجددؒ نے مکتوب ۲۲۹/۱ میں خواجہ حسام الدین احمدؒ کے اُس کرم کا ذکر کیا ہے جو صاحبزادوں کی تربیت کے لیے تھا۔ یعنی لکھا ہے کہ بڑے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت اُن کے ماموں قلیج خان (م ۱۰۲۳ھ) کے سپرد نہ کریں۔

(۲) مکتوب ۸۵/۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجددؒ نے واپس اجمیر کے راستے میں خواجہ محمد معصومؒ کو وہ مکتوب لکھا تھا اور وہ موسمِ گرما کا زمانہ تھا۔ حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی مدظلہ نے اپنی کتاب "حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین" (دہلی ۱۹۷۷ء) کے صفحہ ۱۵۸-۱۶۱ میں فرمایا ہے کہ حضرت مجددؒ ۸ جمادی الآخرہ ۱۰۲۸ھ سے ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۰۲۹ھ تک گوالیار میں قید رہے۔ پھر تین سال اور دس مہینے تک شاہی فوج میں نظربند رہے۔ اس کے بعد اجمیر میں بادشاہ کی اجازت سے آپ نے سرہند کو مراجعت فرمائی اور وہاں آپ ربیع الآخر ۱۰۳۳ھ کی ۱۹ یا ۲۰ تاریخ کو پہنچے۔

پھر اسی دفتر کے مکتوب نمبر ۶۰ میں خواجہ عبداللہؒ کو خطاب ہے کہ انسان کی ذات اُس کا نفسِ ناطقہ ہے۔ جس کو ابتدا میں نفسِ امارہ کہتے ہیں۔

اسی دفتر کے مکتوب نمبر ۱۷ میں جو خواجہ عبیداللہؒ کے نام ہے عالمُ اور صانعِ عالمُ کے درمیان تمیز پر بحث ہے۔

ان کے علاوہ چند مکتوبات میں جو خواجہ حسام الدین احمدؒ کے نام ہیں ان صاحبزادگان کا ذکر ہے۔ اور مولانا فریدی مرحوم نے اپنی گراں قدر تصنیف کے آخری صفحات میں سماع،(۱) رقص، وجد، مولود خوانی، نعتیہ اور غیر نعتیہ اشعار سے متعلق حضرت مجددؒ کے نظریات کی وضاحت کی ہے کہ وہ حضرات (اور میر محمد نعمانؒ بھی ۲۷۳/۱) ان چیزوں کو اختیار کر رہے تھے۔

حضرت خواجہؒ کے مکتوب الیہم مطبوعہ کلیات میں ۸۷ رقعات ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی فرور رہے ہوں گے۔ مثلاً زبدۃ المقامات (ترجمہ صفحہ ۲۱۹) اور حضرات القدس (ترجمہ۔ ۴۴/۲) میں ہے۔

(الف) ان مکتوب الیہم میں حضرت مجددؒ الف ثانی کے نام رقعات سب سے زیادہ ہیں ملفوظات اور رقعات کے مجموعے میں حسب ذیل صفحات میں ان کا ذکر ہے:- ۲۵۔ ۳۷۔ ۶۰۔ ۷۸۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۱۰۲۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۳۰۔ ۱۳۲۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔

صفحہ ۲۵ میں ملفوظات کے عنوان "پنج شنبہ ششم صفر ۱۰۰۹ھ" کے ذیل میں اس سال کے ماہ رمضان المبارک کا ذکر ہے جب کہ حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کی سفارش پر جامع ملفوظات کو ملفوظات (اور واقعات) لکھنے کی اجازت دی تھی۔

صفحہ ۳۷ میں "سلخ ذی قعدہ ۱۰۰۹ھ" عنوان کے ذیل میں حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کو سرہند کی طرف رخصت کرتے وقت جو نصیحتیں فرمائی تھیں اُن کی تفصیل ہے۔ (وہ رمضان ۱۰۰۹ھ سے خدمت میں تھے)۔ صفحہ ۶۰ میں حضرت خواجہؒ کے اُس مکتوب کی نقل ہے جو اُنھوں نے حضرت مجددؒ اور اُن کے صاحبزادے

---

(۱) سماع اور رقص کے متعلق مکتوب ۲۸۵/۱ میں وضاحت ملتی ہے۔

محمد صادقؒ (م ۱۰۲۵ھ) اور بھائی مولانا محمد معسودؒ (۱) کو روانہ فرمایا تھا۔ اس میں کشف کی انواع پر بھی بحث ہے۔ یہ مکتوب وہی ہے جو رقعہ نمبر ۱۴ ہے (صفحات ۱۰۲-۱۰۳)۔

صفحہ ۸۰ میں رقعہ نمبر ۸ بھی حضرت مجددؒ کے مکتوب (۱/۷) کے جواب میں ہے کہ "دفعِ امراض" کے لیے توجہ دینا کہاں تک صحیح ہے۔

(حضرت مجددؒ کے مکتوب ۱/۱۱ میں بھی دفعِ امراض کے لیے توجہ کا ذکر ہے۔ اسی مکتوب میں اور مکتوب ۱/۷ میں بھی حضرت مجددؒ کے بعض مقامات کا ذکر ہے۔)

صفحہ ۸۶ میں (رقعہ نمبر ۱۵) حضرت مجددؒ کے اس مکشوف کو سراہا گیا ہے جو "قول و زبان" کے بغیر ہوتا ہے۔ اسی رقعے میں حضرت خواجہؒ نے اپنی کمزوری کے متعلق لکھا ہے کہ "ضعفِ ما قوی است"۔ حضرت مجددؒ کو دعوت بھی دی ہے کہ استخارہ کر لیں پھر آئیں۔ تاکہ اس مکشوف کے متعلق مزید گفتگو ہو سکے۔

صفحہ ۸۷ میں (رقعہ ۱۶) حضرت مجددؒ کے احوال اور واقعات پر تحقیق کا ارادہ ظاہر کیا ہے جو انھوں نے مکتوب ۱/۱۴ میں لکھے تھے۔ اسی میں مولانا عبدالہادیؒ کے لیے فرمایا ہے کہ انھیں چند روز کے لیے اپنی والدہ سے ملنے کے لیے اجازت دیں (وہ اور کئی حضرات سرہند میں زیرِ تربیت تھے)

صفحہ ۸۷ میں (رقعہ ۱۷) صدرِ جہاں (۲) (مفتی پہانوی بن عبدالمقتدر) کے متعلق

---

(۱) حضرات القدس (حضرت نہم۔ کرامت ۲۹) میں ہے کہ ایک دن حضرت مجددؒ نے اپنے محرمانِ اسرار سے مولانا محمد معسودؒ کے متعلق فرمایا کہ قندھار جانے والے قافلے میں بلکہ روئے زمین پر وہ کہیں نظر نہیں آئے (یعنی اُسی دن وہ فوت ہوئے تھے)۔ زبدۃ المقامات (فصل دہم) میں ہے کہ مخدوم زادہ محمد صادقؒ جب اپنے دادا جانؒ کے مزار پر مراقب ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ محمد معسود قندھار نہ جائیں۔

(۲) صدرِ جہاں، قنوج کے قریب پہانہ کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبدالقدوسؒ کے بیٹے عبدالنبی (م ۹۹۳ھ) کے شاگرد تھے۔ کچھ دنوں ممالکِ محروسہ کے مفتی رہے۔ پھر توران کی سفارت پر گئے۔ واپس آئے تو صدر بنا دیے گئے۔ ۱۰۲۷ھ میں پہانہ میں انتقال ہوا۔ (نزھۃ الخواطر۔ ج ۵۔ صفحہ ۱۷۸) حضرت مجددؒ نے مکتوب ۱/۱۹۴ میں خوشی کا اظہار کیا ہے کہ ان کی وجہ سے احکامِ شرعیہ جاری ہونے لگے ہیں۔

لکھا ہے کہ اُن کو ذکر کا طریقہ بتا دیا ہے۔ لیکن آپ کے پاس بھیجتا ہوں کہ تصحیح اور حصول "بے ظہورِ تصرف متعذر است"۔ اس رقعے میں اپنی زیادہ ناطاقتی کا ذکر بھی ہے۔ اس رقعے میں بھی رقعہ ۱۵ کی طرح فرمایا ہے کہ آنے کے لیے استخارہ کرلیں۔ شاہ حسین بھی ایسا کریں جن کا ذکر حضرت مجددؒ کے مکتوب ۱/۳۰ - اور ۱/۱۵ میں بھی ہے کہ وہ حضرت مجددؒ کے پاس سے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں روانہ ہو چکے ہیں۔

صفحہ ۸۸ میں (رقعہ ۱۸) ارشاد ہے کہ شیخ محمد کو روانہ کیا جا رہا ہے (برائے استفادہ) بعد میں حضرت مجددؒ نے اُن کے اور شیخ ابو الحسنؒ[1] کے فصلانہ کے لیے (مکتوب ۱/۱۹) عرض کیا تھا کہ یہ فصلانہ نواب شیخ (فرید بخاری) نے مقرر کیا تھا جو دلوا دیا جائے۔

صفحہ ۱۲۲ (رقعہ ۶۰) میں حضرت مجددؒ اور اُن کے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ کو خطاب ہے۔ اور حضرت مجددؒ نے جو رُباعی عالمِ سُکر والی بھیجی تھی اُس کو پسند نہیں فرمایا۔ حضرت مجددؒ نے یہ واقعہ مکتوبات (۱/۳۱) میں بھی درج کیا ہے۔ مکتوبات میں (۱/۱۳) بھی اس مقام سے متعلق ہے۔

صفحہ ۱۲۳ (رقعہ ۶۱) میں حضرت مجددؒ کے مکتوب (غالباً ۱/۱۸) کا جواب ہے اور اسرار و رموز پر بحث ہے۔ "حقیقتِ تجلّیِ ذاتی" (بقولِ خواجہ احرار قدس سرہ) وہ منزل ہے جس کی رسائی کے بغیر نہایت (فنا و نیستی) حاصل نہیں۔ حضرت علاؤ الدولہ

---

(۱) ممکن ہے کہ یہ شیخ ابو الحسن وہی ہوں جن کا ذکر رقعہ ۲۰ میں ہے۔ وہ ولایت (ماوراء النہر؟) میں پہلے کسی جگہ میں رہے ہوں گے۔ پھر حضرت خواجہؒ کی خدمت میں دہلی آئے ہوں گے اور بعد میں اُن کے ارشاد کے مطابق سرہند چلے گئے ہوں گے۔ رقعہ نمبر ۲۲ میں جو مکتوب الیہ ہیں بہت ممکن ہے کہ سمرقند والے مرشد یعنی افتخار شیخؒ کے صاحب زادے ہوں۔ اسی رقعہ میں مولانا ترسونؒ (م ۱۰۱۳ھ) کا ذکر ہے جو کئی سال تک بلخ میں رہنے کے بعد ۱۰۱۱ھ میں ہندوستان آئے اور یہاں سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوتے لیکن حج کرنے سے پہلے ۱۰۱۳ھ میں انتقال کیا۔ (نسمات القدس۔ صفحہ ۲۶۶)۔۔۔۔۔۔۔

سمنانی علیہ الرحمہ کے مسلک پر بھی بحث ہے اور یہ کہ "حال را با علم نزاعے ہست ۔ اما علم را با حال نزاعے نیست"۔

صفحہ ۱۳۰ (رقعہ ۶۵)۔ یہ رقعہ غالباً نواب شیخ (فرید بخاری) کو حضرت خواجہؒ نے لکھا ہوگا جس میں حضرت مجددؒ کے متعلق ہے کہ:-

"شیخ احمد نام مردے است در سرہند، کثیر العلم و قوی العمل ۔ روزے(۱) چند فقیر با او نشست و برخاست کردہ عجائب بسیار از روزگار و اوقاتِ او مشاہدہ کرد ۔ بآن می ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گرداند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"۔ اسی کے ساتھ اُن کے فرزندوں اور عزیزوں کی تعریف ہے ۔ اور (غالباً از خود) آپ نے اُن کی امداد کیلئے سفارش فرمائی ہے ۔

صفحہ ۱۴۰ (رقعہ ۸۳)۔ حضرت خواجہؒ اس رقعہ میں حضرت مجددؒ کے کمالات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور سید(۲) امیر صالح کو اُن کی تربیت میں روانہ کرتے ہیں۔ اس کے

(۱) حضرت مجددؒ نے مکتوب ۱/۲۹۰ میں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پہلی حاضری کی کیفیات لکھی ہیں ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ نسبتِ نقشبندیہ (یعنی حضور بے غیبت) دو ماہ اور چند روز بعد حاصل ہو گئی تھی ۔ اسی مکتوب میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے اُن کو کامل مکمل جان کر تعلیم طریقہ کی اجازت بھی دیدی تھی ۔ مکتوب ۱/۲۶۶ میں ہے کہ صرف تین مرتبہ خدمت میں حاضری ہوئی ۔ آخری دفعہ حضرت خواجہؒ نے اپنے دونوں صاجزادوں پر توجہ دینے کے لیے فرمایا ۔ حضرت مجددؒ نے مکتوبات ۱/۱۵۵-۱۵۶-۱۹۴-۲۴۴- میں دہلی جانے کا ذکر کیا ہے ۔ مکتوب ۱/۲۹۱ میں حضرت خواجہؒ کے وصال کے بعد حاضری کا ذکر ہے ۔ عید کا زمانہ بھی تھا ۔

(۲) حضرت خواجہؒ نے جن حضرات کو حضرت مجددؒ کی تربیت میں بھیجا تھا ان کے یہ نام مکتوبات میں ملتے ہیں :- ملا قاسم علی اور دیگر حضرات (۱/۱)۔ میر سید شاہ حسین (۱/۳)۔ خواجہ برہان بالوہ والے (۱/۵)۔ بعض احباب لقمے میں احتیاط نہیں کرتے (۱/۷)۔ شیخ الاجش (۱/۱۰)۔ شیخ نور، میاں جعفر، میاں شیخی، شیخ عیسیٰ، شیخ کمال، شیخ ناگوری، شیخ مزمل، خواجہ ضیاء الدین محمد، مولانا قاسم علی (۱/۱۱)۔ شیخ طاہر (ابن شیخ عبداللہ نیازی)۔ ملا قاسم علی، ملا مودود محمد، عبدالمومن، ملا عبدالہادی (۱/۱۴) اسی مکتوب (البقیہ اگلے صفحہ پر)

بعد رقعہ ۸۴ - ۸۵ بھی اسی ضمن میں معلوم ہوتے ہیں ۔ ان کے علوِ شان کے متعلق حضرت خواجہؒ نے مزید جو کچھ فرمایا ہے وہ حضرات القدس میں خواجہ محمد صدیق کشمی ہدایت کے حالات میں ہے جو حضرت خواجہؒ کی محبت کی وجہ سے حضرت مجددؒ کی خدمت میں جانا نہیں چاہتے تھے ۔

(ب) حضرت خواجہؒ کے مکتوب الیہم میں شیخ تاج الدین سنبھلیؒ بھی خصوصیت رکھتے ہیں ۔ ان کے متعلق مولانا فریدی مرحوم کی فاضلانہ کتاب کے صفحات ۸۶ تا ۹۸ میں بہت مفید معلومات درج ہیں ۔ خود حضرت خواجہؒ کے رقعات سے بھی بعض خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ رقعہ نمبر ۳، اور رقعہ نمبر ۳۲ شروع زمانے کے ہیں ۔ رقعہ نمبر ۳ میں حضرت خواجہؒ نے حسب معمول اپنی خاکساری اور فروتنی کا اظہار فرمایا ہے جو بالواسطہ ایسے اوصاف کی تبلیغ ہے ۔ اس رقعے کے آخر میں ایک جملہ یہ ہے :-

"نیازمندی این سیاہ دل، عمر ضائع کردہ را در مواجۂ مزارِ حضرت میاںؒ ظاہر سازند و استمدادے بکنند ۔ والسلام والاکرام"

یہاں حضرت میاںؒ سے مراد خواجہ اللہ بخشؒ (م ۔ ۹ رمضان ۱۰۰۲ھ) ہوں گے جن سے حضرت خواجہؒ مل چکے تھے اور جن سے شیخ تاج الدینؒ پہلے مرید ہوئے تھے بلکہ

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) (۱/۱۴) میں حضرت مجددؒ کے مقامِ محبوبیت کا ذکر ہے جو حضرت خواجہؒ نے بتایا تھا۔ مولانا علاؤ الدین کا ذکر (۱/۱۶) میں ہے لیکن وہ جلد واپس چلے گئے کہ وہ صرف مکتوب پہنچانے کے لیے آئے تھے ۔ (مکتوب ۱/۱۸) میں میاں شاہ حسین اور شیخ نور کا پھر ذکر ہے کہ وہ ترقی کر رہے ہیں ۔ حضرت خواجہؒ کے رقعات میں بھی کئی نام آتے ہیں جو حضرت مجددؒ کے زیرِ تربیت رہے ہیں ۔ ان میں معروف شخصیت صدرِ جہاں (رقعہ ۱۷) کی ہے ۔ شیخ نور کا ذکر رقعہ ۸ میں ہے جو حضرت مجددؒ کے نام لکھا گیا تھا ۔ عبد الهادی المتوفی ۱۰۴۱ھ کا ذکر رقعہ ۱۵ میں ہے ۔ حاجی عبد العزیز کا ذکر رقعہ ۱۸ میں ہے وہ حضرت خواجہؒ کے پاس تھے اور حضرت مجددؒ نے مکتوب (۱/۱۴) میں شیخ طٰہٰ کے سلسلے میں ان سے واقفیت کا ذکر کیا ہے ۔

اُن سے عشقیہ شطاریہ سلسلے میں مجاز بھی تھے اور اسی لیے حضرت خواجہؒ کے طریقے سے ابھی تعلق کم تھا۔

رقعہ نمبر ۴ میں حضرت خواجہؒ نے بڑے لطیف انداز میں اُن کی "عدمِ انقیادی و طغیانی" کا ذکر کیا ہے کہ "فقیر را بعضے از خواہہا چناں می نماید کہ باطنِ شما را بہ فقیر یک نوع عدمِ انقیادی و طغیانی ہست، ظہورِ این وقائع بعد از بیماریِ فقیر است . . در این دفعہ کہ آمدید شرم آمد کہ باین نوع چیزہا توجہ نمودہ اظہارِ آن نمایم . . . . حفظِ طریقۂ خواجہا داستقامت در توجہ بایشان و عدمِ خلط بطریقِ دیگر ناگزیر است و ازان بہ ہیچ وجہ چارہ نیست ۔ این طبقہ در غایتِ غیرت و نازکی اند ۔ شما کتبِ محققین مطالعہ نہ کردہ اید۔ طریقۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با ہیچ تفاوتے، طریقۂ ایشان است . . . . ."

رقعہ نمبر ۵ میں حضرت خواجہؒ اپنی فروتنی کے اظہار کے ساتھ ساتھ پھر اُمی امر مذکور کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ "از شورِ شما عجب آمد، سخنے نوشتہ بودیم، اگر خلافِ واقعہ باشد فھو المراد۔ بارے وصیت آن است کہ اگر صفتے از صفاتِ ما را مخالف یابید بآنچہ در خیالِ شما کمال قرار گرفتہ تکیہ بآن نکنند کہ اطوار مختلف است . . . . . وہم چنیں در آدابِ طریقۂ عالیۂ احراریۂ نقشبندیہ چوں کوہِ راسخ باشید، زنہار کہ بطریقِ دیگر خلط نکنید و آں کہ از سلاسلِ مختلف مرید می گیرید۔ چیزے نیست کہ مرید شما شود، شود۔ والّا۔ فلاں تعلیم و تلقین منحصر در طریقِ نقشبندیہ سازید۔ نانِ دیگرے خوردن و دعاے دیگر کردن بسیار بے فائدہ است۔ شخصے نورِ نقشبندیہ از شما گیرد و متوجہ شطاریہ باشد چہ مزہ دارد . . ."

رقعہ نمبر ۶ میں "دوامِ وضو و دوامِ شکرِ وضو (یعنی تحیۃ الوضو) و احتیاطِ لقمہ و اجتناب از معاصی بالکلیہ از غیبت و سخن چینی و تحقیرِ بندۂ مومن (از آزار دہندہ) و بغض و کینۂ مومنے و غضب و سختی بر زیرِ دستاں از لوازم است و اساسِ این کار است . . ."

رقعہ نمبر ۱۲ میں ارشاد ہے کہ " دماغ خشکی شمارا کہ در باب شیخ ابابکر (سنبھلی) نمودہ بودند، خواندیم۔ این نوع چیز ہا مناسب مقام شفقت و کارشناسی نیست۔۔۔" دیکھیے حضرت خواجہؒ کس طرح نصیحت فرماتے ہیں۔ (اسی رقعہ کے آخر سے ظاہر ہے کہ شیخ تاج الدین سنبھل ہی میں ہیں) اس رقعہ کا مضمون ملفوظات میں "بعضے از اطوار حضرت ایشان" کے ذیل میں بھی ہے۔

رقعہ نمبر ۲۴ میں ہے کہ آپ نے جو آگرہ جانے کا مشورہ چاہا ہے تو دل سے فتویٰ لیں اور استخارہ بھی کر لیں۔ غالباً شیخ تاج الدینؒ نے آگرہ میں قیام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا)۔ اسی رقعے میں خواب کے عدم اعتبار اور اُس کے اسباب پر بحث ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر سید بخاری ترقی کر رہے ہیں تو میرے پاس بھیجنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بھی تحریر ہے کہ " دکانِ این معاملہ چنداں گرم نیست، نزدیک است کہ سردی تمام رونماید۔ امّا خدا نگہ دارد۔" (ہو سکتا ہے کہ رقعہ آخر وقت کا ہو)۔ اس رقعہ میں سید بخاری سے مُراد سید فرید بخاری (م ۱۰۲۵ھ) ہوں گے جو بہت ممکن ہے کہ اُس زمانے میں سنبھل میں متعین ہوں جس کا ذکر تاریخ میں نہیں ہے۔

رقعہ ۲۶ میں دعا، اور نصیحت ہے اور یہ کہ " حیاتِ صوریہ معلوم است تا چند وفا خواہد کرد۔ اہلِ عقل را فکرِ آن منزل از ضروریات است۔۔۔"۔۔۔

رقعہ نمبر ۲۸ حضرت خواجہؒ کے مرض الموت کے زمانے کا لکھا ہوا تھا جو آپ کے وصال کے بعد شیخ تاج الدینؒ[1] کو ملا تھا۔ اس رقعے میں بھی حضرتؒ کی وہی نصیحت ہے کہ

(۱) مولانا فریدی نے شیخ تاج الدین (م ۱۰۵۱ھ) کے متعلق صفحہ ۹۴ حاشیہ میں لکھا ہے کہ وہ سارن (علاقہ بہار۔ نزد جونپور) میں پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں سنبھل کو وطن بنا لیا تھا۔ صفحہ ۹۵ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ نے اُن کو خط لکھ کر لاہور بُلایا اور وہاں سلوک طے کرایا۔ صفحہ ۹۶-۹۷ میں ان کی بعض تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔ اُن کے ایک عربی رسالۂ تصوّف کا قلمی نسخہ مولانا عطا محمد صاحب (خطیب جامع مسجد چودھواں، ڈیرہ اسمٰعیل خان) کے پاس موجود ہے جس کی نقل میرے عزیز ڈاکٹر آفتاب احمد خان کی کتاب " خاندانِ نقشبندیہ کی علمی خدمات"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اخفاء کو ملحوظ رکھیں :- "و در اوقاتیکہ خوش آید عبودیت و شکستگی و نیاز مندی ہرچہ میسر شود از حمد و ثنا و استغفار و تسبیح و تہلیل و صلوٰۃ تلاوت نیک است، مگر در غیر تلاوت و صلوٰۃ، رعایت اخفاء از طریقۂ خانوادہ است"۔ گویا آخر وقت تک حضرت نے رعایت اخفا کے لیے تاکید فرمائی ہے۔

(ج) حضرت خواجہؒ کے خاص مقربین میں حضرت خواجہ حسام الدین احمدؒ (م ۱۰۴۲ھ) بن قاضی نظام الدین بدخشانیؒ (م ۹۹۲ھ) بھی تھے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک آپ "امارت رجاہ" کی گرفتاری میں رہے۔ بلکہ ابوالفضل (م ۱۰۱۱ھ) کی دوسری بہن سے شادی بھی ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ آپ کو جو فقر و تجرید کا شوق حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاصل ہوا تھا، ختم ہو جائے اور وہ ایسی تعلیم کا مزاحم بھی رہا۔ اور تکلیف بھی پہنچانے لگا۔ لیکن حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ "اطمینان رکھو، اس ملحد دین کا کام چند روز میں تمام ہو جائے گا"۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا اور وہ ۱۰۱۱ھ میں مارا گیا۔

(بقیہ حاشیہ) (حیدر آباد ۱۹۸۰ء) کے صفحات ۱۷۷ء ۱۲۰ میں شامل ہے۔ اس رسالے میں شیخ تاج الدینؒ نے خود کو قرشی عثمانی کہا ہے۔ اس رسالے کی ابتدائی عبارت کا اردو ترجمہ مولانا فریدی کی کتاب کے صفحہ ۹۷ میں ہے۔

حضرات القدس (۲/حضرت سوم - درجہ ۲۱) میں ہے کہ حضرت خواجہؒ کے وصال کے بعد حضرت مجددؒ جب تعزیت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تو شیخ تاج الدینؒ اُن سے کچھ منحرف ہو گئے۔ لیکن بعد میں حضرت خواجہؒ کے خسر کے صاحبزادے مولانا محمد قلیچ خان کے ذریعے تحریری معافی مانگی اور جب عرس کے موقع پر حضرت مجددؒ دہلی تشریف لے گئے (مکتوبات - ۲۳۳/۱) تو بالمشافہ معافی مانگی۔ حضرت مجددؒ نے مکتوبات ۷۱/۱ میں انھیں "بزرگ" لکھا ہے اور ۲۶۳/۱ میں کعبۂ ربانی اور نماز کے فضائل وغیرہ مباحث بیان کرتے ہوئے اُن کی آمد کے لیے بہت خوشی کا اظہار کیا ہے۔

حضرت خواجہؒ کے رقعات میں آپ کا ذکر ہے، گو کہ آپ کے نام کوئی رقعہ موجود نہیں۔ رقعہ نمبر ۴۵ میں (۱) آپ سے کسی حاجت مند کے لیے سفارش فرمائی ہے لیکن مکتوب الیہ کوئی اور ہیں۔ اسی طرح رقعہ ۸۶ میں ضمناً ذکر آتا ہے۔ یعنی اُس رقعے میں جو دہلی والی قیام گاہ کے قریب والی مسجد والوں کے نام ہے اور جو حضرتؒ نے اپنی گوشہ نشینی کے زمانے میں لکھا تھا، یہ فرمایا ہے کہ اب وہ لوگ مُریدوں کی طرح میری تعظیم و تکریم چھوڑ دیں اور مرزا حسام الدین اور مولانا یوسف (۲) وغیرہ سے وہ لوگ جس طرح پیش آتے ہیں اُسی طرح میرے ساتھ بھی پیش آئیں (۳)

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر حضرت مجددؒ کے بعض مکتوبات سے خواجہ حسام الدین احمدؒ کے بعض حالات عرض کیے جائیں :-

حضرت مجددؒ کے مکتوبات اُن کے نام دفتر اول میں نمبر ۳۲-۶۲-۲۰۷-۲۱۶-۲۲۹-۲۴۷-۲۴۸-۲۶۷-۲۷۳ ہیں۔

دفتر دوم میں ۱۷-۲۶-۴۵-اور دفتر سوم میں ۴۰-۷۳-115-121 ہیں۔

---

(۱) اسی رقعہ ۴۵ میں میاں شیخ رفیع الدین کی مدد کے لیے فرمایا ہے۔ یہ وہی رفیع الدین ہوں گے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد کے نانا تھے جیسا کہ انفاس العارفین میں ہے

(۲) ممکن ہے کہ یہ مولانا یوسف وہی ہوں جن کے سوالات کے جواب میں حضرت مجددؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد سعیدؒ کی کتاب "تحقیقات" مکتبہ عارف حکمت۔ مدینہ منورہ میں (قلمی) موجود ہے۔ اگر وہ مولانا یوسف سمرقندی تھے تو اُن کا انتقال ۱۰۲۲ھ میں ہوا۔

(۳) کلمات الصادقین (صفحہ ۱۸۴) میں خواجہ حسام الدین احمدؒ کی بہت تعریف کی ہے کہ حضرت خواجہؒ ان کو اپنا نائب مناب بنانا چاہتے تھے لیکن انھوں نے عاجزی کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ اور ارباب سلوک کے نزدیک جو چیز اعتبار رکھتی ہے اُن کی ذات میں ایسی تھی کہ آسمان و زمین کے دفاتر میں گنجائش سے زیادہ ہے اور یہ کہ حضرت خواجہؒ فرماتے تھے کہ "این دکانداری بخاطر وے قبول نمودہ ایم"۔

دفتر اوّل ۔ نمبر ۳۲ جواباً فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ قدس سرہ کی نسبتِ خاص کیا تھی! تفصیل دی ہے ۔

نمبر ۶۲ میں فرمایا ہے کہ وہ جذبہ جو سلوک سے پہلے ہے وہ اصل مقصود نہیں۔ البتہ اس کے بعد کا جذبہ اصل مقصود ہے ۔

نمبر ۲۰۷ میں فرمایا ہے کہ عرصے سے آپ کی، مخدوم زادوں کی آپ کے فرزند میاں جمال الدین حسین، میاں اللہ داد میاں الہ دیا وغیرہ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی ۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ وجد و حال جب تک شرع کے مطابق ہوں تو صحیح ہیں ورنہ نہیں ۔

نمبر ۲۱۶ میں فرمایا ہے کہ بعض اولیاء کے خوارق کیوں زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ کی ایک بات یہ لکھی ہے کہ بعض لوگ اُن سے کہتے تھے کہ ہم نے آپ کو حج میں یا فلاں مقام پر دیکھا، حالانکہ وہ وہاں تشریف نہیں لے گئے ۔

نمبر ۲۲۹ میں ہے کہ ہمارا طریقہ بالکل حضرت خواجہؒ کے طریقے کے مطابق ہے ۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے جو بڑے مخدوم زادہ (خواجہ عبید اللہؒ) کو اُن کے ماموں محمد قلیچ خان کی ظاہری تعلیم و تربیت میں رہنے کو پسند فرمایا ہے اُس سے تعجب ہوا ۔

نمبر ۲۴۷ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات اور اپنے ماسوا پر دلیل ہے ۔

نمبر ۲۴۸ میں ہے کہ تجلّیِ ذاتی کا حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم سے مخصوص ہونا اس معنی میں ہے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل میں انبیاء علیہم السلام کو اس کا حصول ہے اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کی تبعیت سے اولیاء کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے ۔ (پھر تفصیل ہے)

نمبر ۲۶۷ میں حضرت مجددؒ نے اسرار و دقائق کو پوشیدہ رکھنا ہی پسند فرمایا ہے۔ (اس سے پہلے والے مکتوب نمبر ۲۶۶ میں حضرت مجددؒ نے خواجہ حسام الدین احمدؒ کا بہت شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے دونوں مخدوم زادوں کی تربیت اور خدمت کو اپنے ذمّے لے لیا ہے ۔ اُسی مکتوب میں حضرت خواجہؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ کسی نے کھانا کھاتے وقت زور سے بسم اللہ کہا تو آپ نے ناپسند فرمایا ۔ اسی مکتوب میں فرمایا ہے کہ مخدوم زادوں

جمعہ کی راتوں میں سرود اور قصیدہ خوانی شروع کرادی ہے۔ یہ اپنے مسلک کے خلاف ہے۔

نمبر ۲۷۳ میں بھی سرود اور مولود خوانی کو منع فرمایا ہے۔ (جو میر محمد نعمانؒ نے بھی اختیار کرلی ہے)

دفتر دوم نمبر ۱۷ میں فرمایا ہے کہ اس دنیا کے مصائب بظاہر تکلیف دہ ہیں۔ لیکن حقیقت میں ترقیوں کے موجب ہیں (بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ نے ۱۰۲۵ھ میں طاعون سے وفات پائی تھی)۔ یہ مکتوب اسی زمانے کا ہے۔

نمبر ۲۶ میں فرمایا ہے کہ کشمیر سے آپ کا خط ملا (خواجہ حسام الدین احمدؒ نے لکھا تھا کہ خواجہ کلاں عبیداللہؒ اور خواجہ حسام الدینؒ کے فرزند جمال الدین حسین کو میاں اللہ دادؒ کی تلقین[1] سے شرمندگی ہے)۔

نمبر ۴۵ میں فرمایا ہے کہ عالم صرف اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مظہر ہے اور ممکن الوجود کو اس کی ذات سے کچھ مناسبت نہیں۔ عرض اور جوہر پر تفصیل سے بحث ہے)

دفتر سوم نمبر ۴۔ خواجہ حسام الدین احمدؒ نے دریافت کیا تھا کہ کیا وہ مع متعلقین، حرمین شریفین کو منتقل ہو جائیں۔ حضرت مجددؒ نے صرف انھی کے جانے کے لیے مشورہ دیا ہے اور وہ جو انھوں نے سیادت مآب[2] (غالباً شیخ فرید بخاری) کے متعلق لکھا تھا

---

(۱) زبدۃ المقامات (اردو۔ صفحہ ۱۲۸) میں ہے کہ (خواجہ کلاںؒ اور) خواجہ حسام الدین احمدؒ کے فرزند نے پہلے شیخ اللہ دادؒ سے اس سلسلے کے ذکر کی تلقین حاصل کی تھی۔

(۲) "اگر سیادت مآب" سے مراد نواب شیخ فرید ہیں تو پھر یہ مکتوب اپنی ترتیب میں پہلے آنا چاہیے، کیوں کہ اُن کا انتقال ۱۰۲۵ھ میں ہوا تھا۔ گویا اس سال سے پہلے خواجہ حسام الدین احمدؒ اپنے متعلقین کے ساتھ حرمین شریفین کو منتقل ہونے کا ارادہ کر رہے تھے۔

کہ طبیب اُن کے ضرر کا حکم دیتے ہیں تو حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کوئی ضرر نظر نہیں آیا (انشاءاللہ)

نمبر ۷۲۔ جہانگیر کے لشکر میں حضرت مجددؒ کا رہنا، اُن کے فرزندوں[1] اور احباب کے حق میں بلا کی جگہ عافیت ہے اور تفرقہ کے بجائے جمعیت ہے۔ اسی مکتوب میں حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے کہ مولود خوانی نہ کریں ورنہ بوالہوس باز نہ آئیں گے اور

---

(۱) ڈاکٹر سراج احمد خان نے اپنی کتاب "مکتوبات امام ربانیؒ کی دینی اور معاشرتی اہمیت" (صفحہ ۱۱۵ - ۱۲۷) میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ کی قید کا واقعہ جمعہ یکم رجب سنہ ۱۰۲۸ھ کو رونما ہوا اور گوالیار کے قلعے سے رہائی جمعہ ۱۱ رجب سنہ ۱۰۲۹ھ کو ہوئی۔ پھر آپ کو سرہند جانے کی رخصت دی گئی۔ لیکن پھر "ہمراہی لشکر" میں رہنا پڑا۔ یہ لشکر دہلی، آگرہ وغیرہ جایا کرتا تھا جب کہ آپ اپنے فرزندوں (خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ) سے دور تھے۔ رمضان سنہ ۱۰۳۲ھ میں آپ اجمیر شریف میں تھے۔ سنہ ۱۰۳۱ھ سے خواجہ محمد ہاشمؒ بھی آپ کے ساتھ تخمیناً دو سال تک رہے تھے۔ سنہ ۱۰۳۳ھ کے اوائل میں آپ "ہمراہیِ لشکر" سے آزادی پاکر سرہند آگئے تھے اور شعبان سے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ (آپ یکم رجب سنہ ۱۰۲۸ھ کو قید ہوتے تھے اور ۶ ماہ کے بعد دہلی میں جہانگیر سے شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئی تھی اور وہ اُن کے علم، توکل، اور تبتّل کا مدّاح ہوا۔ غالباً حضرت شیخؒ کو اپنے پیر بھائی حضرت مجددؒ کی قید سے متعلق بات کرنے کا موقع نہ ملا ہوگا)۔

مولانا ابوالحسن زید فاروقی صاحب کے حساب کے مطابق، جیسا کہ ہم نے اوپر ایک جگہ لکھا ہے، حضرت مجددؒ ۸ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۰۲۸ھ سے ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۰۲۹ھ تک گوالیار میں قید رہے۔ پھر تین سال اور دس ماہ تک نظربند رہے۔ اور اجمیر شریف سے سرہند کو ربیع الآخر سنہ ۱۰۳۳ھ کی ۱۹ یا ۲۰ تاریخ کو پہنچے۔

اندک کو بسیار بنادیں گے۔

نمبر ۱۱۵۔ یہ مکتوب دراصل مذکورۂ بالا مکتوب نمبر ۵۴ کی نقل ہے غلطی سے دوبارہ شامل ہوگیا ہے۔ (اسی مکتوب میں خواجہ حسام الدین احمدؒ کے صاحبزادے جمال الدین حسین اور اُن کے بھائیوں اور بہنوں کے لیے دعائیں ہیں۔ گویا وہ کئی تھے)۔

نمبر ۱۲۱۔ اس مکتوب کا پس منظر یہ ہے کہ خواجہ حسام الدین احمدؒ نے لکھا تھا کہ آپ نے جو مکتوب ۸۷/۳۔ اجمیر شریف میں لکھا تھا اُس پر شیخ عبدالحقؒ نے بہت اعتراضات کیے ہیں۔ حضرت مجددؒ یہاں اُن کا جواب تفصیل سے دے رہے ہیں اور آخر میں برادرانہ شکوہ ہے کہ براہِ راست مجھے لکھنے کے بجائے انھوں نے "شور و غوغا" کیوں کیا اور صرف "اشتباہ" سے ایک مسلمان کو خوار کرنا چاہا اور "شہر بشہر" اُس کی منادی کی۔ (۱)

ان مکتوبات کے مطالعے سے خواجہ حسام الدین احمدؒ کے صحیح حالات سمجھ میں آسکتے ہیں اور افراط و تفریط کی گنجائش نہیں رہتی۔

(د) حضرت خواجہؒ کے اکابر اصحاب میں شیخ الہ دادؒ (م ۱۰۵۱ھ) بھی ہیں۔ مولانا فریدی نے اپنی کتاب (صفحہ ۱۱۵۔ ۱۲۷) میں اُن کے متعلق ضروری معلومات کو یکجا کردیا ہے۔

خواجہ محمد ہاشمؒ نے زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ جس وقت حضرت خواجہؒ

---

(۱) اسی مکتوب میں ہے کہ "این فقیر کہ ایں ہمہ دفاتر در بیانِ علوم و اسرار ایں طائفۂ علیہ نوشتہ است بے مزج سکر، حاشا و کلا کہ آں حرام و منکر است و گزاف و سخن باغی است سخن باغاں کہ بہ صحو خالص متصف اند بسیار اند۔ چرا ایں قسم سخناں نہ بافتند و اماے مردم را از جانہ برند"۔ جو لوگ ظاہر بیں ہیں حضرت مجددؒ کے اس قول کے باوجود اُن پر معترض ہیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہؒ کے معتقد ہیں جن کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ "بعد مراقبہ ہر چہ بہ کشف می رسد نگاشتند"۔ (مولانا محمود احمد برکاتی "شاہ ولی اللہ اور اُن کا خاندان" صفحہ ۸۶)

لاہور میں تھے اور ابھی ماوراء النہر نہیں گئے تھے۔ شیخ الٰہ دادؒ اُن کی خدمت میں پہنچ گئے تھے۔ اُن کی نظرِ عنایت سے مستفیض ہوتے، تعلیم طریقہ اور مراقبہ حاصل کیا۔ لیکن اُن کے ساتھ کسی وجہ سے ماوراء النہر نہیں گئے۔ لاہور میں جس قدر مخلصین تھے اُن سب کو شیخ الٰہ دادؒ کی صحبت کا مشورہ دے کر روانہ ہوگئے اور ایک مخلص کو اس طرح (رقعہ ۴۴) تحریر فرمایا :-

"اِن دنوں سیرِ ولایت (ماوراء النہر) کا داعیہ قوی ہوگیا ہے۔ چند روز کے بعد وہاں جاؤں گا۔ میاں شیخ الٰہ داد نے خویشتن داری کر کے خود کو یہیں ٹھہرنے اور رہنے کا فیصلہ کیا ہے .... بہر حال جس کسی کو اُن (الٰہ دادؒ کی) رفاقت حاصل ہو جائے غنیمت ہے۔ یہ حق ہے اور میں تکلّف سے نہیں کہتا..."

اسی سفر میں شیخ الٰہ دادؒ کو اُن کے التماس کے سلسلے میں تحریر فرمایا (رقعہ ۲):-

برادرِ ارشد میاں شیخ الٰہ دادؒ، آپ اپنے اِس معتقد دعاگو کو توجہِ فاتحہ میں امداد فرمائیں۔ راستے کی پریشانی اور بے سکونی کی حالت میں میرے لیے بڑی بے حیائی ہے کہ میں تصوّف سے متعلّق بات کروں اور طریقِ انجذاب کے دقائق اور منتہائے کشف کے حقائق (جو آپ نے دریافت کیے ہیں) تحریر کروں ...... تاہم ایک وصیت آپ سے کرتا ہوں کہ اُسے فراموش نہ کریں اور وہ یہ ہے کہ مجھ جیسے فضول گھومنے والے اور بیاباں نورد نہ بنیں اور اپنی نسبت کو مضبوطی سے پکڑیے اور اُسے بہت عزیز سمجھیں کہ وہ کبریتِ احمر سے زیادہ قیمتی ہے......"

پھر جب حضرت خواجہؒ ماوراء النہر سے واپس ہوئے تو شیخ الٰہ دادؒ نے پوری عقیدت اور شکستگی کے ساتھ خدمت میں رہنا شروع کر دیا۔ مسافروں اور زائرین کے کھانے کا انتظام اور خانقاہ کی خدمت اُنھی کے سپرد ہوئی۔ اس کے باوجود ذکر و مراقبہ اور "احوالِ باطن" سے کبھی غفلت نہیں برتی۔

رقعہ ۸۶ سے ظاہر ہے کہ جب حضرت خواجہؒ نے گوشہ نشینی اختیار کی تو اُس وقت بھی شیخ الٰہ دادؒ موجود تھے (آخر وقت تک حاضر رہے)۔

رقعہ ۲ میں شیخ الاداد کے جس استفسار کی طرف اشارہ ہے غالباً اُسی کے متعلق حضرت خواجہ فرماتے ہیں۔ (رقعہ ۱۹) :-

"...... سیر فی اللہ دراصل اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو نَحْنُ اَقْرَبُ کے معنی میں جذبہ اور فنا حاصل کرکے فیضِ الٰہی کی مدد سے نفس کا تزکیہ پا جاتے ہیں۔ ..... حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور اہلِ سنّت والجماعت کا اعتقاد اور خواجگان قدس سرہم کی باطنی نسبت، دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے بہتر ہے۔ عالمِ آخرت کا دیدار اسی نسبت کی صورت ہے جیسی کہ ظاہری ہئیت میں ظاہری اعمال کی صورت ہے۔"(۱)

(۶) مولانا رشدی

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ) کے ملفوظات جو حیاتِ باقیہ کہلاتے جاتے ہیں اور اُن کے ساتھ آپ کے مکتوبات اور رسائل کا مجموعہ جو کلیات باقی (مع کلامِ منظوم) کے نام سے لاہور سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا ہے اُس کے مرتب نے عمداً اپنا نام پوشیدہ رکھا ہے۔ مجموعے کے شروع میں وہ لکھتے ہیں :-

"بعد از حمد وصلوٰۃ نمودہ می آید کہ چوں بسابقہ عنایتِ ازلی و رہنوئی سعادت لم یزلی این ذرۂ احقر کہ نامِ خود را از غایت بے اعتباری شائستۂ اندراج این نامۂ بلند قدر نمی بیند از جملۂ بار یافتگانِ درگاہِ خواجۂ جہاں پناہ ..... شد۔"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مرتب نے اپنا نام عمداً پوشیدہ رکھا ہے۔

حیاتِ باقیہ دراصل ایک قسم کی ڈائری ہے جس میں حضرت خواجہ کی مجلسوں کے بعض واقعات ۱۰۰۹ھ سے ۱۰۱۲ھ تک وقفے وقفے سے درج کیے گئے ہیں۔

حضرت خواجہ کا انتقال ۲۵ رجمادی الآخر ۱۰۱۲ھ کو ہوا۔ مرتب نے سات بند کا ایک ترکیب بند (بطورِ مرثیہ) لکھا جس میں ایک جگہ اپنا تخلص رشدی اس طرح

---

(۱) حضرت مجدد کے مکتوبات ۱/۳۲، ۲۰۳، ۲۰۷، ۲/۲۶ میں بھی شیخ الاداد کے متعلق ذکر ہے۔

استغنا کیا ہے :-

رُستی از آں نفس کہ رخ خود نہفت دوست ۔ سازِ طرب شکست نوائے ترا نہ مُرد

میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ انھوں نے اپنا تخلص عمداً بدل دیا ہے ۔

مجلسوں میں جو ملفوظات درج ہیں اُن میں " بیج شنبہ ششم صفر ۱۰۰۲ھ " کے ذیل میں لکھا ہے کہ ان ملفوظات کے لکھنے کی اجازت بہت زیادہ عرض و معروض اور اصرار کے بعد ملی، پھر اسی کے ذیل میں ماہ رمضان المبارک کی مجلس کا ذکر ہے کہ اس موقع پر حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (مجدّدِ الفِ ثانی) کی سفارش پر صرف یہ اجازت ملی کہ " سخنے کہ در طریقہ دخلے داشتہ باشد بنویسید "

اِن مجالس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے جس میں یہ بھی عرض ہے کہ مُرتب (جامع ملفوظات) کا حضرت خواجہؒ سے بہت قریبی بلکہ خانگی تعلق تھا اور اُن کی اہلیہ حضرت خواجہؒ کی والدہ ماجدہ کا ہاتھ بٹاتی تھیں، یہ بھی عرض ہے کہ جامع ملفوظات ۱۰۰۰ھ میں حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوئے تھے۔[1] جمعہ دوم جمادی الاولیٰ ۱۰۱۰ھ کی مجلس کا ذکر بھی اوپر آ چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع ملفوظات کی رشتہ داری شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے تھی۔ یکم صفر ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں ہے کہ جامع ملفوظات واپس آ گئے ہیں۔ لیکن ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۰۱۲ھ کے ذیل میں ہے کہ جامع ملفوظات نے پھر ضرورت کی وجہ سے لشکر میں جانے کی اجازت چاہی تو حضرت خواجہؒ نے منع

---

(۱) رقعہ نمبر ۴۴ کی تمہید میں ہے کہ مکتوب الیہ نے " کسب و معیشت " کو حضرت خواجہؒ کی صحبتِ عالی کی برکت سے چھوڑ دیا تھا لیکن سلطانِ وقت (اکبر) کے حکم سے کسی کام کی غرض سے کسی دور علاقہ (کابل؟) کو چلا گیا تھا۔ اُسے والدہ کی خدمت کے لیے فرمایا ہے اور یہ بھی کہ بادشاہ چاہتا ہے کہ کابل جائے اور وہاں اُس کے لیے وجہِ معاش مقرر کرے۔ بادشاہ نے یہ بات اپنے رضاعی بھائی مرزا کوکہ (م ۱۰۳۲ھ)، اُن کی والدہ اور دوسری عورتوں کے سامنے ظاہر کی ہے۔ مرزا کوکہ نے ۱۰۰۲ھ میں حج کیا تھا اور اسی سال حضرت خواجہؒ لاہور سے ماوراء النہر (؟) کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

فرمایا کہ "آخرہائے بازار ماست وظاہرا کارِ ما باآخر رسیدہ است۔۔۔" اسی طرح ۲۳،۲۲ پھر ۲۵ تاریخوں میں حضرت خواجہؒ کی مختلف کیفیات (وصال تک) درج ہیں۔

ان تمام ملفوظات و رقعات کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ جامع اور مرتب کے تعلقات حضرت خواجہؒ اور ان کے تعلق کے تمام افراد سے بہت قریبی تھے۔ شیخ عبدالحق کو مخدومی (صفحہ ۴۴)، مخدومی ملاذی (صفحہ ۴۸) کہا ہے۔ حضرت مجددؒ کو مخدومی ملاذی استاذی (صفحہ ۷۸، ۱۰۲، ۱۲۳، ۱۴۰) کہا ہے۔ شیخ تاج الدینؒ کو ملاذی امیدگاہی (صفحہ ۹۰)، مخدومی (صفحہ ۱۳۱) اور شیخ الہ داد کو خلافت پناہ، مظہر الطاف الٰہی، امیدگاہِ مریدان و مخلصان (صفحہ ۷۳) لکھا ہے۔

حضرت خواجہؒ کے ان مقربین سے مولانا رشدی کا قریبی تعلق اس بات کی سند ہے کہ انھی سے حضرت خواجہؒ کے متعلق صحیح حالات معلوم کیے جا سکتے تھے۔ اسی لیے خواجہ بدرالدین سرہندیؒ نے حضرات القدس (دفتر اول) میں انھی کے حوالے سے حضرت خواجہ امکنگیؒ کی خدمت میں حضرت خواجہؒ کی حاضری کا حال لکھا ہے کہ ان کے دو مشکل مسئلے جن کے حل کے لیے وہ مختلف بزرگوں کے پاس جاتے رہے صرف وہیں (خواجہ امکنگیؒ کی خدمت میں) حل ہو سکے۔ اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ جامع ملفوظات ہی حضرت خواجہؒ کے مقربین[1] میں ان خصوصیات کے حامل تھے: (۱) قریب ہونے کی وجہ سے صحیح اور مفصل حالات اُن سے معلوم ہو سکتے تھے۔ (۲) وہ شاعر بھی تھے۔ (۳) لشکرِ شاہی میں تھے (۴) ملفوظات لکھے ہیں لیکن حضرت خواجہؒ کے بالکل آخر وقت میں موجود نہ تھے۔ (انھوں نے شنبہ ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۰۱۲ھ کے ذیل

---

(۱) حضرات القدس (۲/ ۴۹) میں ہے کہ خواجہ محمد صدیقؒ چند احباب کے ساتھ دہلی میں شیخ تاج الدینؒ سے ملے تھے جنھوں نے محمد قلیج خان کو حضرت مجددؒ سے معافی دلوانے کے لیے خط لکھا تھا۔ گویا خواجہ محمد صدیقؒ خاص مقربین میں سے تھے۔

میں لکھا ہے کہ اُس وقت صرف خواجہ حسام الدین احمدؒ خدمت میں تھے)(۱)
پھر ملفوظات کے آخری عنوان "شب پانزدہم ماہِ شعبان ۱۰۰۰ھ" کے ذیل میں جس بزرگ کا چشتیہ سلسلے سے تعلق بتایا گیا ہے وہ یہی خواجہ محمد صدیق ہدایت ہوں گے۔

حضرت خواجہؒ کے وصال (۲۵ جمادی الثانیہ ۱۰۱۲ھ) کے بعد (تعمیلِ وصیت میں) خواجہ محمد صدیق کشمیؒ (مولانا رشدی) حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے۔ مکتوبات میں اُن کا ذکر متعدد مقامات میں ہے۔ ۱/۱۱۹ میں میر محمد نعمانؒ کو حضرت مجددؒ نے لکھا ہے کہ ایسا سُنا گیا ہے کہ مولانا محمد صدیقؒ نے نوکری اختیار کرلی ہے اور فقراء کی وضع کو چھوڑ دیا ہے۔ ۱/۲۳۲ میں بھی یہی بات فرمائی ہے۔ ۱/۲۳۳ میں بھی وقت کی قدر کرنے کی ہدایت ہے۔ ۱/۱۳۴ میں بھی یہی ہے۔ ۱/۱۳۵ میں ولایتِ عامہ اور

---

(۱) حضرات القدس دفتر دوم میں خواجہ محمد صدیق کشمی ہدایت کے حالات میں ہے کہ وہ حضرت خواجہؒ کے انتقال کے وقت موجود نہ تھے۔ ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ یکشنبہ یکم صفر ۱۰۱۲ھ کو جامع ملفوظات کی سفر سے واپسی ہوئی۔ اُسی زمانے میں حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ مجھے اب ترکِ مشیخت کا حکم ملا ہے اور اسی زمانے میں حضرت خواجہؒ نے اپنے مُریدوں کو حضرت مجددؒ کے زیر تربیت رہنے کا حکم دیا تھا۔ اسی زمانے میں حضرت مجددؒ تیسری بار حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرات القدس میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ اُس وقت خواجہ محمد صدیقؒ پر فنا فی الشیخ کا غلبہ طاری تھا تو حضرت مجددؒ کی خدمت میں جانے سے انکار کیا۔ حضرت خواجہؒ پر جلال رونما ہوا تو خواجہ محمد صدیقؒ بے ہوش ہوگئے۔ دوسری تفصیل بھی دی ہے۔

(۲) نزهة الخواطر (ج ۵ ص ۳۷۸) میں ہے کہ خواجہ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۱۸ھ میں دہلی سے برہان پور اور مندو بھی گئے تھے۔ حضرات القدس (۲/۳۵۹) میں اُن کے دوست خواجگی کی بیماری کا ذکر ہے اور اُن کی صحت کے لیے حضرت مجددؒ کا کشف بیان کیا ہے۔

لایتِ خاصّہ سمجھائی گئی ہے۔ ۱/۱۳۶ میں (رمضان کے بعد) لکھا ہے کہ اس دفعہ اُن کا لشکر میں جانا (نوکری کرنا) پسند نہیں۔ ۱/۱۶۲ میں رمضان المبارک کی فضیلت بتائی ہے۔ ۱/۱۷۶ میں وقت کی قدر کرنے اور شعر گوئی کو ترک کرنے کی ہدایت ہے۔ ۱/۱۸۸ میں امورِ سہ گانہ (مرتبۂ قلب سے متعلق) کی تفصیل ہے۔ ۱/۲۱۲ میں بھی اُن کے بعض سوالات کا جواب ہے۔

۲/۲۱ میں پھر مراتبِ قلب پر تفصیل ہے۔ ۲/۵۱ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بعض کاملین سے کلام کس نوعیت کا ہوتا ہے۔

۳/۸ میں غیب کے اصلی ہونے اور شہود کے ظلّی ہونے کا بیان ہے۔

مکتوب ۱/۲۴۱ میں حضرت مجدّدؒ نے مولانا محمد صالحؒ کو لکھا ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ اب مولانا محمد صدیقؒ، ولایتِ خاصّہ سے (۱/۱۳۵) مشرّف ہوتے ہیں (۱)

زبدۃ المقامات اور حضرات القدس (دفتر دوم) میں خواجہ محمد صدیقؒ کے دوسرے حالات بھی ہیں۔ زبدۃ المقامات میں ایک مکتوب ہے جس میں محمد صدیقؒ نے مخدوم زادہ محمد سعیدؒ (م ۱۰۷۰ھ) کو اپنے ہاتھ پاؤں کی معذوری کا حال بھی لکھا ہے۔ لیکن اُن کی شاعری کا ذکر ہے۔ یعنی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے آخر وقت تک شاعری کو نہیں چھوڑا، گو کہ وہ معرفت سے متعلق تھی۔

آپ نے ۱۰۱۹ھ میں حضرت مجدّدؒ کے معارف کو مبدأ و معاد کے نام سے مرتب کیا تھا۔ ۱۰۳۲ھ میں حج بھی کیا تھا۔ ماہ شوال ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی اہلیہ بھی حضرت مجدّدؒ سے بیعت ہوئیں۔ مجاز بھی ہوئیں اور خواتین کی بہت بڑی جماعت کو مستفیض کیا۔

اکبری الحاد

اکبر بالکل جاہل تھا۔ اس لیے مفاد پرست "علمائے سوء" نے اُسے غلط راستے پر ڈال دیا۔ پھر یہ کہ اُس نے ہندو دانیوں سے

---

(۱) مکتوب ۱/۱۹۹ میں ملا محمد امین کابلی کو لکھا ہے کہ آپ کے پاس مولانا محمد صدیقؒ کو بھیجا گیا ہے تاکہ طریقے کی اشاعت ہو سکے۔ وہ آگرہ میں تھے۔ ۱/۱۲۵، ۱/۲۴۶ دیکھیں۔

شادیاں کیں۔ اس وجہ سے اُسے ہندو دین اور ہندو معاشرے سے محبت ہو گئی۔ حتیٰ کہ اُس نے حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مقبرہ اور وہاں کی مسجد بنوائی تو وہ دونوں (بقولِ مستشرقین کے) بالکل ہندوانی طرز کے ہیں۔ اکبر کی خوشامد میں مُلا مبارک ناگوری (فیضی اور ابوالفضل کے باپ) نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا جس میں یہ فقرے خاص تھے کہ "بادشاہ ظلّ اللہ ہے۔ امام عادل ہے، مجتہد العصر ہے اور کسی کا پابند نہیں"۔ مُلا عبدالقادر بدایونیؒ اُس زمانے کے حالات (اکبر کے دربار میں بیٹھ کر) تفصیل سے لکھے ہیں لیکن اب بعض عقل کے دعویدار (جنھیں دین اور تصوف سے کوئی تعلق نہیں) فیضی اور ابوالفضل کی حمایت میں بدایونیؒ کی ہر بات اور پھر حضرت مجددؒ کی دینی خدمات کی تردید میں اپنا زور صرف کرنے لگے ہیں۔

حضرت مجددؒ نے نوجوانی کے زمانے ہی سے اس دور کے مختلف فتنوں کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ وہ لوگ جو خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بُغض رکھتے ہیں اور (قرآن پاک میں اُن کے مقاماتِ عالیہ کی صراحت کے باوجود) اُن کی شان میں گستاخی کرنا اپنا دین سمجھتے ہیں اُن کے خلاف حضرت مجددؒ نے رسالہ "ردِّ روافض" لکھا اور ابوالفضل نے جو نبوت کے منافی اثرات اکبر پر ڈال رکھے تھے اُس کے خلاف عربی رسالہ "اثبات النبوۃ" لکھا۔ جس میں اُس زمانے کے فتنوں کا ذکر بھی ہے۔ رسالے کے شروع میں آپ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:- "اِس زمانے میں یہ بات میں نے دیکھی کہ خود نبوت ہی کے متعلق اور پھر کسی فردِ واحد کے لیے نبوت کے اثبات کے سلسلے میں لوگوں کے اعتقاد میں فتور آ چلا ہے۔ یہ خرابی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اسلام کے وہ علماء جو شریعت کی پیروی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری میں ثابت قدم تھے قتل کر دیے گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرم نام کو چھوڑا جا رہا ہے۔ اور جس کا نام آپ کے مبارک نام پر ہوتا ہے اُس کو بدل دیتے ہیں۔ ذبح بقر سے روکا جاتا ہے۔ حالاں کہ وہ ہندوستان میں اسلام کے بڑے شعائر میں سے ہے۔ مسجدوں اور مقبروں کو توڑا جا رہا ہے۔ کفار کے معابد اور ان کے رسم و رواج کی تعظیم کی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ

اسلام کے شعائر اور اعلام کو مٹا کر کافروں کے رسوم اور اُن کے باطل ادیان کو رائج کیا جا رہا ہے، اور اُن کو فارسی میں منتقل کیا جا رہا ہے تاکہ اسلام کا نشان تک ہٹ جائے۔
میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ شک اور انکار کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ خود اطبا (علماء) بیمار ہو چلے ہیں اور اللہ کی مخلوق ہلاکت تک پہنچ گئی ہے۔ میں نے ایک ایک کے عقائد کو ٹٹولا اور اُن سے اُن کے شبہات دریافت کیے۔ اُن کے دلی خیالات اور اعتقادات کی جانچ پڑتال کی تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے یہ زمانہ بہت دور ہو گیا ہے اور حکمائے ہند اور فلسفہ کی کتابوں سے شغف بڑھ گیا ہے۔ میں نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا جنھوں نے فلسفہ اور کافروں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور جن کو فضل و فضیلت کا دعویٰ بھی ہے۔ (یعنی ابو الفضل)۔ ان لوگوں نے خلقِ خدا کو گمراہ کیا ہے اور تحقیقِ اصلِ نبوت اور شخصِ معین کے لیے اس کے نبوت کے سلسلے میں خود بھی بھٹکے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکایا ہے۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ حکمت و مصلحت اور مخلوق کی ظاہری حالت کو سنوارنا اور اُن کو لڑائی جھگڑے اور اُن کو خواہشات نفسانی کے انہماک سے روکنا ہی حاصلِ نبوت ہے"۔
اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ حضرت مجددؒ شروع جوانی ہی سے دین کا درد رکھتے تھے اور بنفسِ نفیس آگرہ جا کر ابو الفضل (وزیرِ اعظم) سے مناظرہ کرنے کی جرأت رکھتے تھے۔ یہ جرأت کسی اور عالم میں نظر نہیں آتی۔

حضرت مجددؒ نے اس مختصر رسالے میں اُن تمام واقعات کا اجمال پیش کر دیا ہے جس کی تفصیل مُلا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ میں ملتی ہے۔ لیکن ان بیانات کی تردید کرنا آج کل کے بعض اہلِ قلم لوگوں نے اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔ اور "بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْن"
محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب (استادِ تاریخ پنجاب یونیورسٹی) کی فاضلانہ کتاب "دینِ الٰہی اور اُس کا پس منظر" (لاہور ۱۹۷۰ء) کے ابواب یہ ہیں: اکبر کی ابتدائی مذہبی زندگی، علمائے سوء، صوفیائے خام، شیخ مبارک کا منصوبہ، اکبر اور ہندو، بھگتی تحریک اور اکبر، اکبر اور جینی، اکبر اور پارسی، اکبر اور عیسائی، نقطوی تحریک اور اکبر، کیا اکبر نیک

نیا ظہور تھا؟ اکبر نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟ ردِّ عمل وغیرہ ــــ یہاں اسی کتاب سے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں :-

" جب بادشاہ نے تاریخِ الفی لکھنے کا حکم دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے واقعات لکھنے پر بدایونی مامور ہوئے اور انھوں نے جب تعمیر کوفہ، ہدم قصر الامارہ، تعیینِ اوقاتِ صلوٰۃِ خمسہ، فتحِ شہرِ نفیسین اور اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور اُس زمانے کے حالات لکھ کر اکبر کو سُنائے تو وہ بہت برافروختہ ہوا کہ بدایونی کو اپنی جان بچانی مشکل ہوئی۔ پھر بادشاہ نے شیعہ عالم احمد ٹھٹھوی کو اس کام پر مامور کیا" اور جب اکبر کے حکم سے بدایونی نے مہابھارت کا ترجمہ فارسی میں کیا تو ابو الفضل نے اُس پر ۳۶ صفحات کا مقدمہ لکھا جس میں اکبر کو پیشوا۔ ے خدا شناساں، مقتدائے ھُدیٰ اساساں، پردہ براندازِ اسرارِ غیبی، چہرہ کشای صورتِ لاریبی، قاسم ارزاقِ بندگانِ الٰہی جیسے القاب سے نوازا ــ ہادی علی الاطلاق، مہدی باستحقاق، خلیفۂ آفرینش بھی ــ اور اکبر کے خوشامدی لوگ یہ کلمہ پڑھا کرتے تھے :- لاالٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ۔

اسمٰعیلی امام کی طرح اکبر بھی بہت سے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح ایک ہی وقت میں کرا دیتا تھا۔ اُس کو ابو الفضل نے مادر زاد ولی، علمِ لدُنّی والا اور بکثرت کرامات والا بھی قرار دیا ہے۔ تناسخ کا قائل، آفتاب پرست، ہندو دیوی دیوتاؤں کے جنم دن منانے والا، بھجن گانے والا، کانگڑہ کی دیوی کا درشن کرنے والا، رام اور سیتا کی مورتیں اپنے سکّوں پر کندہ کرانے والا، ہر بُدھ کو اور دیوالی کے موقع پر گائے کا درشن کرنے والا بھی تھا۔ بعض برہمنوں نے اُس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ ایک بار اُن کے خدا نے سُؤر کے روپ میں اوتار لیا تھا۔ اس لیے اکبر نے اپنے محل میں خواب گاہ کے قریب یہ جانور پال رکھے تھے اور صبح کے وقت جھروکے سے انھیں دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا تھا۔ ہندوؤں کی پیروی میں سورج کی پوجا کیا کرتا اور سورج کے ایک ہزار ایک ناموں کا وِرد کرتا تھا اور جب وہ یہ وِرد پورا

کرلیتا تو درشینہ لوگ سجدے میں گر جاتے ۔ جب اکبر کی ماں اور پھر رضاعی ماں فوت ہوئیں تو اُس نے بھدرا کرایا۔ شیخ مبارک مرا تو فیضی اور ابوالفضل نے بھی بھدرا کرایا۔ اس کی تاریخ کسی نے کہی :۔ شریعتِ جدید (سنہ ۱۰۰۱ھ)۔ سُود لینا اور دینا دونوں جائز قرار دیا گیا۔ تعددِ ازواج ممنوع ہوا۔ ہندو رانیاں بے پردہ تھیں اس لیے بادشاہ نے حکم دیا کہ مسلمان عورتیں بھی بے پردہ باہر نکلا کریں۔ علماء اور شعائرِ اسلامی کے نفاذ والے قاضیوں کا تقرر ختم ہوا۔ ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں پچپن ہندو منصب داروں کا ذکر کیا ہے جو پنج ہزار منصب سے لے کر دو صد ہزاری منصب پر فائز تھے۔ اُن کی وجہ سے ہندو نوازی اور مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شروع ہوئی اور مسجدوں کو مسمار کر کے مندر تعمیر ہونے لگے۔ اکبر نے خود اسیر گڑھ کی مسجد کو منہدم کرنے اور اُس کی جگہ مندر تعمیر کرنے کا فرمان جاری کیا تھا۔ اکبر نے حکم دیا تھا کہ سب لوگ رمضان کے دنوں میں اُس کے سامنے کھایا پیا کریں اور پان کا بیڑا منہ میں رکھا کریں۔ اکادشی کے دن ہندوؤں کا برت ہوتا تھا تو اُس دن کوئی مسلمان نہ روٹی پکا سکتا تھا اور نہ فروخت کر سکتا تھا۔ بھگتی تحریک سے بھی اکبر کو بہت مناسبت تھی۔ اس لیے بعض مسلمان صوفیہ بھی اُس سے متاثر ہوئے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۵ھ) کہتے پھرتے تھے کہ "ایں چہ شور و ایں چہ غوغا کشادہ؟ کسے مومن، کسے کافر، کسے مطیع، کسے عاصی، کسے در راہ، کسے بے راہ، کسے مسلم، کسے پارسا، کسے ملحد، کسے ترسا۔ ہمہ در یک سلک است۔" گورو اَمَر داس نے دربار صاحب (امرت سر) کا سنگِ بنیاد میاں میر (م ۱۰۴۵ھ) سے رکھوایا تھا۔(۱)

---

(۱) پروفیسر محمد اسلم صاحب کی اسی کتاب کے صفحات ۱۵۱ تک یہ سب واقعات مذکور ہیں۔ حضرت مجددؒ کے مکتوب ۲/۹۲ میں بھی مسجدوں کے انہدام کا ذکر ہے اور وہ مکتوب سنہ ۱۰۲۸ھ کا (عہدِ جہانگیر) ہے۔ شیخ عبدالقدوسؒ کے صاحبزادے عبدالنبی ۹۷۱ھ سے ۹۸۶ھ تک وزیرِ اعظم ہوتے۔ پھر معتوب ہوئے۔ مخدوم الملک عبداللہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اکبر کی صحبتیں چینی لوگوں سے رہتی تھیں (صفحہ ۱۵۲-۱۵۶) پارسیوں سے بھی (صفحہ ۱۵۷-۱۶۲) اور عیسائیوں سے بھی (صفحہ ۱۶۳-۱۶۲) - ایک دریدہ دہن پادری علی الاعلان قرآن، اسلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتا اور آپ کی ذاتِ اقدس میں دجّال کی صفات ثابت کرتا - اکبر سنتا لیکن اس کی پیشانی پر بل بھی نہ پڑھتا - عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا - احمد، محمد، مصطفےٰ جیسے نام تبدیل کیے جانے لگے - نقطوی تحریک کے شریف آملی نے بھی ابوالفضل کو اور (بالواسطہ) اکبر کو متاثر کیا تھا - (صفحہ ۱۷۴-۱۷۸) - اکبر جب کسی سے ناراض ہوتا تو اسے فقیہ کہہ کر پکارتا اور ابوالفضل مسلمانوں کو "پیرانِ احمدی کیش"(۲)، کوتاہ بیں، گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت، سادہ لوحانِ تقلید پرست، گرفتارانِ زندانِ تقلید" کہا کرتا تھا اسی لیے اکبر نے اپنے "تقلیدی" اور "مجازی"، مسلمانوں کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو اس کے مرید بننا چاہتے تھے اس مضمون کے دعدے کو لازمی قرار دیا تھا کہ :-

"من کہ فلاں بن فلاں باشم بطوع و رغبت و شوقِ قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرا نمودم و در دینِ الٰہی اکبر شاہی در آمدم و مراتبِ چہار گانۂ اخلاص کہ ترک مال(۱) و جان(۲) و ناموس(۳) و دین(۴) باشد، قبول کردم"۔

پروفیسر محمد اسلم صاحب کی کتاب "تاریخی مقالات" (لاہور ۱۹۷۰ء) میں سے بھی کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ جس قدر عارف کا پایۂ عبودیت بڑھے گا، اسی قدر

(گذشتہ سے پیوستہ) سلطان پوری سے اُن کی نہیں بنتی تھی - اکبر نے دونوں کو مکہ معظمہ جانے کا حکم دیا - وہ راستے میں اور وہاں بھی لڑتے رہے - آخر پریشان ہو کر واپس آئے - مخدوم الملک گجرات پہنچ کر ۹۹۱ھ میں فوت ہوئے اور عبدالنبی نے قید خانے میں رہ کر ۹۹۲ھ میں وفات پائی - اخبار الاخیار میں شیخ عبدالقدوسؒ کے حالات کے ذیل میں ان کا حال بھی ہے - (۲) شیخ محمد اکرام مرحوم نے شاید ابوالفضل کی ترکیب "پیرانِ احمدی کیش" کو نظر انداز کر دیا ہو گا، اُس نے "کیش" دین ہی کے لیے استعمال کیا ہے، "رہ" کے لیے نہیں۔

کنگرۂ عرفان رفیع تر ہوگا۔ (صفحہ ۶۹)

ملاحدہ نماز کا مذاق اڑاتے ہیں (صفا و مروہ، قربانی، غسل، ماں بہن کی حرمت کے منکر ہوتے ہیں۔ صفحہ ۷۲)

عبداللہ ابن سبا، در لباسِ تشیع، مجددِ آن مذہب ناروا گشت (صفحہ ۷۳)۔ پھر مزدک نے یہ فتنہ کھڑا کیا (صفحہ ۷۴) قرامطہ نے خلیفہ المتوکل کے زمانے میں سر اٹھایا اور حجرِ اسود بھی اکھاڑ کر لے گئے۔ ایران میں دیالمہ نے بھی لباسِ تشیع میں الحاد کو فروغ دیا۔ (صفحہ ۷۵)۔ اسماعیلیہ (عبیدیہ) نے بھی یہی کیا۔ محمود بسیخوانی نے زندقہ و الحاد کا پرچار کیا اور "فضلاتے کہ دے در آنجا خوردہ گوش از شنیدن آن قے می کند" (صفحہ ۷۷)۔ اسمٰعیل صفوی کی وجہ سے زندقہ و الحاد کو نئی زندگی ملی اور "شیخ ابوالفضل ناگوری، بسا طِ آئینِ خسارت قرین را در مملکتِ ہندوستان گسترد" (صفحہ ۷۶)۔

شریف آملی ملاحدہ میں سے تھا۔ اکبر نے اسے ہزاری منصب دیا۔ وہ محمود بسیخوانی کے نقشِ قدم پر چلتا ہوا ابوالفضل کے بتاتے ہوئے مراتب چہار گانہ کی تلقین (بنگال میں) کرتا تھا۔ (صفحہ ۷۸)

شیخ مبارک (فیضی اور ابوالفضل کا باپ)۔ سلطان ابراہیم لودھی کے زمانے میں کٹر سنی سمجھا جاتا تھا۔ سوری حکومت کے زمانے میں مہدوی۔ ہمایوں کے زمانے میں نقشبندی اور اکبر کے زمانے میں مشربِ اباحت پر کاربند اور صلحِ کل کا دعوی دیدار تھا۔ اور ابوالفضل کا دل کسی دین و ملت سے مطمئن نہیں تھا۔ (صفحہ ۷۹)۔ ابوالفضل اسی لیے دہریہ ہوا اور "در رنگِ ابنِ مقفع خبیث مذکور کلیلہ و دمنہ را بر طرز خاص تحریر نمودہ در مقامِ تمثیل و استشہاد، حکایتِ واہیہ از نزدِ خود افزود" (صفحہ ۸۰)۔

میرے والد بزرگوار (خواجہ باقی باللہ بحوالۂ مبلغ الرجال) نے جو بعض رباعیات میں وحدۃ الوجود کے مسائل پیش کیے ہیں تو فرماتے تھے کہ "از ما این تصنیف خوب واقع نہ شدہ است"۔ آپ نے اس خیال سے کہ طریقت کے بعض مقامات اور ان کے احوال، عوام کے فہم سے بالاتر[1]

---

(۱) حضرت مجددؒ نے ۹۹/۲ کے آخر میں اور ۲۱/۳ میں خاص مقامات کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں۔ حضرت مجددؒ کو نصیحت فرمائی تھی کہ ان کو اگر بیان بھی کریں تو بطور علماء، نہ بطورِ صوفیہ (صفحہ ۸۱)

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ اکبری عہد میں دین کا کیا مذاق اڑایا گیا اور عقل کے دعویداروں نے دین کے ماننے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اکبر کے فوت ہونے پر جب جہانگیر (سنہ ۱۰۱۴ھ) تخت نشین ہوا تو حضرت مجددؒ نے مختلف ارکانِ سلطنت کو دین کی غربت یاد دلائی اور ترویجِ دین کی ترغیب و تحریص کی طرف متوجہ کیا۔ خانِ اعظم (مرزا کوکہ) اکبر کے رضاعی بھائی تھے۔ اکبر اور جہانگیر نے اس رشتہ کی وجہ سے اُن کی قدر دانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ سنہ ۱۰۰۲ھ میں انھوں نے حج کیا اور (سنہ ۱۰۳۳ھ) میں وفات پائی۔ حضرت مجددؒ نے مکتوب ۱/۶۵ میں انھیں لکھا ہے کہ :-

"اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں[(1)] کی مذمت کرتے ہیں اور بے خوف ہو کر ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری کرتے ہیں۔ لیکن مسلمان، اسلام کے احکام جاری کرنے سے رُکے ہوتے ہیں اور شرائع کے بجا لانے میں مذموم و مطعون ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" یہ مکتوب حضرت مجددؒ نے دہلی آکر (سنہ ۱۰۱۶ھ) میں اُن کو لکھا تھا جیسا کہ اس کے آخر میں وضاحت ہے۔

غالباً اسی زمانے میں آپ نے لعل بیگ (م سنہ ۱۰۲۲ھ) کو بھی لکھا۔ وہ اکبر کے بیٹے سلطان مُراد کے بخشی تھے۔ انھوں نے صوفیہ کا ایک تذکرہ ثمرات القدس من شجرات الانس لکھا تھا۔ حضرت مجددؒ نے مکتوب ۱/۸۱ میں اُن کو لکھا ہے :-

"تخمیناً ایک صدی سے اسلام پر ایسی غربت چھا رہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کے شہروں میں صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اسلامی

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) اخفاء کے متعلق (اشارۃً) ذکر کیا ہے۔ ۱/۱۰۷ میں خرقِ عادت اور ۱/۱۴۸ میں مشائخ کی روحانی امداد سے مغرور نہ ہونے پر بھی تاکید ہے۔

(۱) مکتوب ۱/۱۳۹ میں آپ نے فرمایا ہے کہ کفار قریش نے جب اہلِ اسلام کی ہجو کی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعروں کو اُن کی ہجو کرنے کے لیے حکم دیا تھا۔

احکام بالکل ختم ہو جائیں اور اسلام اور اہلِ اسلام کا کچھ اثر باقی نہ رہے اور اس حد تک نوبت پہنچی ہے کہ اگر کوئی مسلمان، شعائرِ اسلامی پر عمل کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ گائے کا ذبح کرنا، ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار ہے۔ کفار شاید جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں لیکن گائے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ سلطنت کی ابتدا ہی میں اگر مسلمانی نے رواج پا لیا اور مسلمانوں نے اعتبار پیدا کر لیا تو بہتر ہے ورنہ (نعوذ باللہ) اگر توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر کام بہت مشکل ہو جائے گا.....؟"

نواب فرید بخاری کو بھی حضرت مجددؒ نے متعدد مکتوب لکھے تھے۔ وہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ تحصیلِ علم کے بعد اکبر کے ملازم ہو گئے۔ درویش صفت امیر تھے۔ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے متعلق فرمایا تھا کہ "شیخ را بر ما حق ہا است و بوسیلۂ وجودِ ایشاں درین راہ کشائش یا دیدہ ایم ①۔" حضرت مجددؒ نے بھی انھی حقوق کے متعلق ۱/۵۴ میں ذکر کیا ہے اور ۱/۴۷ میں اسلام کی زبوں حالی کا ذکر کیا ہے:۔ "آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں (یعنی عہدِ اکبری میں) اہلِ اسلام پر کیا گزری ہے ...... گذشتہ زمانے میں کفار غلبہ پا کر دارِ اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان، اسلام کے احکام جاری سے عاجز۔ اگر جاری کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے...... آج جبکہ دولتِ اسلام کی ترقی (مو انعاتِ اسلام کا زوال) اور بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی، خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم جانا کہ بادشاہ کے مددگار معاون ہوں اور شریعت کی ترویج اور مذہب کو تقویت دینے میں اُس کی رہنمائی کریں، خواہ یہ امداد و تقویت، زبان سے میسر ہو یا ہاتھوں سے۔ جس قسم کی بھی امداد مطلوب ہو اُس سے دریغ نہ کریں۔ سب سے بڑھ کر مدد، کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت کے طریق پر شرعی مسائل

---

① ملفوظات۔ (صفحہ ۵۷) ـــ شیخ فرید اپنی سخاوت سے مشہور تھے، صلحاء اور مشائخ، نیز غربا اور مساکین کے لیے ہر وقت اُن کی مدد عام تھی۔ اکبر اور جہانگیر کے میر بخشی تھے۔ خسرو کی بغاوت پر اُس کی سرکوبی کی تو ۹ محرم ۱۰۱۵ھ کو "مرتضیٰ خان" کا خطاب حاصل کیا۔ ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی۔

کو بیان کرنا اور عقائدِ کلامیہ کو ظاہر کرنا ہے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آکر بادشاہ کو راستے سے نہ بہکائے اور کام خراب نہ کر دے ..... گذشتہ زمانے میں جو بلا اسلام پر آئی وہ اسی جماعت (علمائے دنیا) کی کم بختی کے باعث تھی ....."۔
(اسی مکتوب میں علمائے سوء میں جاہل صوفیہ کا ذکر بھی ہے)۔

مکتوب ۱/۴۸ میں تحریر ہے کہ آپ نے دین کے طلبہ کو صوفیوں پر ترجیح دیتے ہوئے جو امداد مولانا محمد قلیچ خان کے ذریعے بھجوائی ہے وہ آپ کی بلند ہمت (شریعت کی محبت) کی نشانی ہے۔

مکتوب ۱/۵۱ میں اسلام کی غربت کا ذکر ہے کہ آج کل بے چارے اہلِ اسلام گردابِ ضلالت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ "امید نجات ہم از سفینۂ اہلِ بیت خیر البشر است علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا..... ہلالِ ماہِ رمضان در حضرتِ دہلی دیدہ شد۔ مرضیِ حضرت والدۂ بزرگوار در توقف مفہوم گشت۔ بضرورت تا استماعِ ختمِ قرآن توقف نمودہ" اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مجددؒ دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ مکتوب ۱/۱۵۵۔۱۵۶ سے ظاہر ہے کہ جمادی الاوّل کی پہلی تاریخ (جمعہ ۱۰۱۶ھ) کو اپنے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ (م ۱۰۲۵ھ) کے ساتھ دہلی پہنچے تھے۔ (۱/۱۹۴ میں بھی اس کا ذکر ہے)۔

مکتوب ۱/۵۳ میں ذکر ہے کہ وہ جو جہانگیر نے آپ سے فرمایا ہے کہ چار علمائے دین دار مقرر کیے جائیں تاکہ وہ مسائل شرعیہ بیان کریں۔ اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی لیکن حبِ جاہ والے علماء نہ رکھے جائیں ورنہ اکبر کے زمانے کی طرح وہ بھی اختلافی باتیں درمیان میں لاکر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہیں گے اور دین میں بگاڑ پیدا کریں گے۔
(دنیا پرست علماء کا حال مکتوب ۱/۳۳، اور مکتوب ۱/۲۱۳ میں بھی ہے)۔

مکتوب ۱/۶۳ میں شیخ فریدؒ کو انبیاء علیہم السلام کے متفقہ اصولِ دین کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان میں اختلاف صرف بعض احکام سے ہے جو دین کے فروع سے تعلق رکھتے ہیں ——

مکتوب ۱/۱۵۲ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اطاعتِ حق فرمایا ہے اور مکتوب ۱/۱۶۳ میں شیخ فریدؒ کو پھر کفار کی تذلیل کے لیے فرمایا ہے ۔ کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو "خُلقِ عظیم" سے موصوف ہیں ، جہادِ کفار کے ساتھ کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم فرماتا ہے تو معلوم ہوا اُن پر سختی کرنا خلقِ عظیم میں داخل ہے ۔ پس اسلام کی عزت ، کفر اور کافروں کی خواری میں ہے ۔ پس جس نے اہلِ کفر کو عزیز رکھا اُس نے اہلِ اسلام کو خوار کیا ۔ اُن کے عزیز رکھنے سے یہ مُراد نہیں کہ اُن کی تعظیم کریں اور بلند جگہ بٹھائیں بلکہ اپنی مجلسوں میں جگہ دینا اور اُن کی ہم نشینی کرنا اور اُن کے ساتھ گفتگو کرنا ، سب اعزاز میں داخل ہے ۔ کُتوں کی طرح اُن کو دور رکھنا چاہیے ۔ ..... (۱) ان نابکاروں کا کام اسلام اور مسلمانوں پر ہنسی ٹھٹھا کرنا ہے ، ہر وقت اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر قابو پائیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا کفر کی طرف لوٹا دیں ۔ پس مسلمانوں کو بھی شرم کرنی چاہیے ۔

مکتوب ۱/۱۶۵ میں بھی شیخ فریدؒ کو لکھا ہے کہ اہلِ بدعت ، اہلِ ہوس اور اہلِ کفر کو خوار رکھنا چاہیے ۔ (۱/۵۴ میں بھی آپ نے اسی طرح فرمایا تھا)۔

مکتوب ۱/۱۹۳ میں بھی غربتِ اسلام کا ذکر ہے کہ " امروز اسلام بسیار غریب است ۔ جیتلے کہ امروز در تقویتِ آن صرف می کنند بہ کرورہا می خرند تاکدام شاہباز را باین دولتِ عظمیٰ مشرف سازند "۔ اسی مکتوب میں ہے کہ یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے لاہور میں پرانی منڈی کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کی اور اپنی حویلی میں جامع مسجد تیار کرائی ہے ۔ اسی مکتوب میں آگے آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ " درین

(۱) حضرت مجددؒ کے یہ کلمات آج کے ہندو پرست مسلمانوں کو پسند نہ آئیں گے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکبر کے زمانے سے کفار نے یہی رویّہ مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا بلکہ ہندوستان میں تو اب تک مسلمان کا چھوا ہوا کھانا پینا کوئی ہندو گوارا نہیں کرتا اور مسلمان کو وہ کھانے پینے کی چیز اس طرح دور سے دیتا ہے جس طرح کسی بھنگی کو دی جاتی ہے ۔

وقت کشتن کافر لعین گویند (از جنود) وآں او بسیار خوب واقع شد و باعث شکستِ عظیم بر ہنودِ مردود گشت۔ بہر نیت کہ کشتہ باشند و بہر غرض کہ ہلاک کردہ خواریِ کفار خود نقدِ وقتِ اہلِ اسلام است ..... وآں سرورِ دین و دنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام در بعضے ادعیۂ خود، اہلِ شرک را بایں عبارت نفریں فرمودہ اند......"۔ مکتوب ۱/۲۳۳ میں شیخ فریدؒ سے خطاب ہے کہ میں دہلی میں خواجہ باقی باللہؒ کے عُرس (۲۵ جمادی الآخر) کے موقع پر آیا ہوں۔ آپ کی خدمت میں پہنچنے کا ارادہ تھا لیکن معلوم ہوا کہ آپ باہر جا رہے ہیں۔ آپ کی بھلائی کے لیے آپ کو اُن چیزوں سے منع کرنے کی جراءت کرتا ہوں جو آپ کی بلند درگاہ کے لائق نہیں۔ یعنی در مجلس شریف نااہلاں را نہ گذارند"۔ اس مکتوب میں یہ بھی ہے کہ کچھ عرصے سے حج کا ارادہ ہے۔ آپ سے مشورہ لینا تھا۔ لیکن آپ جا رہے ہیں۔ (جمعہ یکم جمادی الاول سنہ ۱۰۱۶ھ ۱/۱۵۵) سے آپ دہلی میں اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادقؒ (م سنہ ۱۰۲۵ھ) کے ساتھ تھے اور رمضان تک قیام رہا۔

مکتوب ۱/۲۶۶ میں بھی "اہلِ کفر کی دوستی سے کدورت" کا ذکر ہے۔ یہ مکتوب حضرت خواجہؒ کے صاحبزادوں کے نام ہے۔

مکتوب ۱/۲۶۹ میں بھی فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے دل میں کسی نہ کسی امر کی تمنا ہوا کرتی ہے لیکن اس فقیر کی تمنا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ سختی کی جائے اور ان بدبختوں کی اہانت کی جائے اور ان کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ یہ فقیر یقیناً جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عمل سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب کوئی عمل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار اس عملِ پسندیدہ کے لیے ترغیب دیتا ہے۔ اور اس کام کا بجالانا اسلام کے نہایت ضروری کاموں میں سے سمجھا جاتا ہے۔ چوں کہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اس گندے مقام (۱) اور وہاں کے رہنے والوں کی تحقیر و اہانت کے لیے مقرر ہوئے ہیں

(۱) اس مقام سے مراد بنارس ہوگا۔ ایک مرتبہ حضرت مجددؒ (مکتوب ۱/۲۱۳) وہاں تشریف لے گئے تھے۔ اُس زمانے میں وہیں گنگا اور جمنا کا اتصال ہوتا تھا۔

اس لیے اول اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ بہت لوگ اُس مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تعظیم و توقیر کے لیے وہاں جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے کہ ہم کو اس بلا میں مبتلا نہ کیا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کے شکر ادا کرنے کے بعد ان بدبختوں اور ان کے جھوٹے خداؤں کی تحقیر و توہین میں بہت کوشش کرنی چاہیے۔۔۔۔" یہ مکتوب سابق مکتوب کے زمانے (سنہ ۱۰۱۶ھ) کے قریب کا ہوگا، کیوں کہ اس کے عنوان میں شیخ فریدؒ کو مرتضیٰ خان (مکتوب الیہ) کہا گیا ہے۔ یہ خطاب اُن کو سنہ ۱۰۱۵ھ میں ملا تھا جب کہ انھوں نے جہانگیر کے بیٹے خسرو کو شکست دی تھی اور انعام میں بھراول کا علاقہ بھی ملا تھا۔

صدر جہاں کے نام دو مکتوب ہیں۔ وہ پہانی (قنوج کے قریب) کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبدالنبی (م سنہ ۹۹۲ھ صدر الصدور) کے شاگرد تھے۔ کچھ دنوں ممالکِ محروسہ کے مفتی رہے۔ پھر توران میں سفیر ہوئے۔ واپسی پر صدر ہوئے۔ سنہ ۱۰۲۷ھ میں وفات پائی۔ اُن کے صحیح سنین معلوم نہیں۔ لیکن قیاس ہے کہ سنہ ۱۰۱۵ھ کے قریب کا زمانہ ہوگا جب کہ حضرت مجددؒ نے اُن کو مکتوب ۱/۱۹۴ لکھا تھا۔ اُس میں آپ نے لکھا ہے کہ احکامِ شرعیہ کے جاری ہونے کی خبر سے بڑی خوشی ہوئی اور یہ کہ "آپ کو معلوم ہے کہ زمانہ سابق میں جو فساد پیدا ہوا تھا وہ علماء کی بدبختی سے تھا۔ اب اس بارے میں امید ہے کہ (دین کا) پورا پورا تتبع مدِنظر رکھ کر علمائے دین دار کے انتخاب میں پیش دستی کریں گے"۔(۱)

صدر جہاں کے نام دوسرا مکتوب ۱/۱۹۵ ہے جس میں ذکر ہے کہ سلطنت میں انقلاب آیا ہے تو صدور اور علماء کو چاہیے کہ وہ شریعت کی ترقی کی طرف متوجہ ہو کر سب سے

---

(۱) یہی بات آپ نے شیخ فریدؒ ۱/۴۷ میں لکھی تھی۔ ۱/۵۳ میں بھی علمائے دیندار کے تقرر کا ذکر ہے کہ بادشاہ ایسے علماء کو احکامِ شریعت بتانے کے لیے مقرر کرنا چاہتا ہے۔ ۱/۲۵۱ میں ہے کہ بادشاہ خود کو حنفی قرار دیتا ہے اور اہلِ سنت و جماعت سے ہو جاتا ہے۔ مکتوب ۲/۱۵ میں بھی یہ بات لکھی ہے۔

پہلے اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم کریں اور دیر نہ کریں ورنہ اہلِ اسلام کے لیے زمانہ بہت تنگ ہو جائے گا۔ قاضیوں کی ضرورت کے لیے بھی آپ نے اس مکتوب میں متوجہ کیا ہے۔(۱)

محمد قلیج خان جو حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی پہلی اہلیہ کے بھائی تھے، لاہور میں صوبہ دار تھے۔ پھر ۱۰۲۰ھ میں کابل میں مقرر ہوئے اور ۱۰۲۳ھ میں فوت ہوئے۔ لاہور کی صوبہ داری کے زمانے میں فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس بھی دیا کرتے تھے۔

مکتوب ۱/۷۶ میں حضرت مجددؒ نے اُن کی کوشش کو (ترویج شریعت کے لیے) سراہا ہے۔ لیکن فرمایا ہے کہ فضول مباحات سے بچیں کہ ورع وتقویٰ کے خلاف ہے۔ (لاہور میں اُن کے قیام کا زمانہ ۱۰۲۰ھ سے پہلے کا تھا۔ چناں چہ یہ مکتوب بھی اس سال سے پہلے کا ہوگا۔ مکتوب نمبر ۱/۲۴ میں تصوف کے بعض مسائل کا جواب ہے اور مکتوب ۱/۱۴ا میں اخلاص کی فضیلت کا ذکر ہے (بس یہی تین مکتوب اُن کے نام ہیں)

خانِ جہاں (م ۱۰۴۰ھ) کے نام مکتوب ۲/۶۷ میں آپ نے اہلِ سنت وجماعت کے عقائد تفصیل سے سمجھائے ہیں اور ترغیب دی ہے کہ کلمۂ حق جہانگیر کے کانوں تک پہنچاتے رہیں کیوں کہ "بادشاہ روح کی مانند ہے اور تمام انسان جسد کی طرح ہیں۔ اگر روح درست ہے تو جسد بھی درست ہے اور اگر روح بگڑ جائے تو جسد بھی بگڑ جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی بہتری میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔۔۔"۔ خانِ جہاں کے نام مکتوب ۳/۵۴ میں بھی دین کے لیے ترغیب وتحریص ہے کہ اُن جیسے صاحبِ اقتدار لوگوں کی وجہ سے دین کی تبلیغ ہو سکتی ہے۔

مکتوب ۲/۶۸ شرف الدین حسین کے نام ہے جو خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کی اولاد میں تھے۔ اکبری عہد میں امارت پر ضرور فائز ہوئے تھے لیکن اُس کے الحاد کی وجہ سے گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اس مکتوب میں حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے کہ "آپ کو

(۱) مکتوب ۱/۱۰۳ میں بھی آپ نے شیخ زیدؒ کو قاضی کی ضرورت کے متعلق لکھا ہے۔

معلوم ہوگا کہ دارالحرب کے کفار نے نگرکوٹ کے گرد و نواح میں مسلمانوں کے شہروں پر کیا کیا ظلم و ستم ڈھائے ہیں اور کیسی اہانت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوار کرے"۔ اس مکتوب کی تحریر کا سال آپ نے ۱۰۲۸ھ ہے جبکہ نورانی ستون اور دُم دار ستارہ نظر آیا تھا۔

۱۰۲۸ھ ہی میں آپ نے میر محمد نعمانؒ (م ۱۰۵۸ھ) کو مکتوب ۲/ ۹۲ لکھا ہے کہ "کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم کرکے وہاں اپنے مندر اور معبد تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں حوض کرکھیت کے اندر ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا۔ اس کو منہدم کرکے اس کی جگہ ایک بہت بڑا مندر بنایا ہے۔ نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجالا رہے ہیں اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے اجراء میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے روز ہندو لوگ کھانا پینا ترک کر دیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس دن کوئی مسلمان اپنے اسلامی شہروں میں نہ روٹی کھائے اور نہ فروخت کرے۔ (اس کے برعکس) کفار ماہِ مبارک رمضان میں برملا، کھانا پکاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اور کوئی شخص، اسلام کے مغلوب ہونے کی وجہ سے ان کو روک نہیں سکتا۔ ہائے افسوس کہ بادشاہ ہم میں سے (یعنی مسلمان) ہو اور ہم فقیروں کا اس قدر خراب و خستہ حال ہو۔۔۔۔" یہ زمانہ اکبر کے مرنے کے ۱۴ سال بعد کا ہے۔ اکبر اور جہانگیر کے مدّاح اور ملّا بدایونی کے طنز نگار (اس حقیقت کو فراموش نہ کریں)۔ اسی مکتوب میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "اگرچہ بعض فقہاء نے بادشاہوں کے لیے سجدۂ تعظیم جائز رکھا ہے لیکن بادشاہوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ اس امر میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع کریں"۔

اسی مکتوب میں آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ (جہانگیر) جب ممالک کی سیر سے واپس (آگرہ) آئے گا، تو میں حاضر ہوں گا۔ (اسی حاضری پر آپ ۱۰۲۸ھ میں) قید ہوئے اور ۱۰۲۹ھ تک قلعۂ گوالیار میں تھے۔ (۱)۔

---

(۱) اسی سال یعنی جہانگیر کے پندرہویں جشنِ جلوس کے ذیل میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مکتوب ۲/ ۲۹ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو آپ نے قید کے زمانے میں جواباً لکھا ہے کہ مصائب میں اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے اور "وجود شریف الشاں دریں غربت اسلام، اہلِ اسلام را مغتنم است۔"

مکتوب ۳/ ۱۰۵ میں بھی "ضعفِ اسلام" کا ذکر ہے کہ "آخر الزمان است واوانِ ضعفِ اسلام"۔ اسی مکتوب میں "مغفرت پناہ مولانا احمد برکیؒ" (المتوفی ۱۰۲۶ھ) کے فرزندوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ارشاد ہے اور اسی مکتوب میں آپ نے لشکر شاہی کی ہمراہی سے خلاصی میسّر ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ یعنی ۱۰۳۳ھ کے اوائل میں یہ مکتوب لکھا ہوگا اور اس وقت بھی آپ "ضعفِ اسلام" کی وجہ سے فکرمند تھے اور مکتوب الیہ (شیخ حسن برکیؒ) کو اُس زمانے کی بدعتوں کے خلاف رسالہ لکھنے پر دعاء دیتے ہیں۔

اکبری عہد کے فتنوں کی وجہ سے مُلک میں بعض بدعتوں کا رواج پڑ گیا تھا، اُن کا ذکر بھی مکتوبات میں ہے :۔

(۱) بعض پیروں کو اُن کے مُرید سجدہ کرتے تھے (۱/ ۲۹)۔
(۲) بعض صوفیوں نے اپنے مسلک میں غلط باتیں شروع کر دی تھیں (۱/ ۲۳۰)
(۳) بعض صوفیوں نے ولایت کو نبوّت سے افضل کہا تھا (۱/ ۱۰۸)۔ (۱/ ۲۶۸)۔
(۴) بعض نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ پر غالب کر دیا تھا (۱/ ۲۲۱)۔ (۱/ ۲۶۶)۔
(۵) بعض نے سرود و نغمہ اور قصیدہ خوانی کی مجلس قائم کر لی تھیں (۱/ ۲۳۴) (۱/ ۲۶۶) (۱/ ۲۷۳)۔ (۲/ ۲۳)۔

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) تزک جہانگیری (علی گڑھ ۱۸۶۴ء۔ صفحہ ۲۱۰) میں ہے کہ سُنّی بھی ہوتی ہے اور مسلمان اپنی لڑکیاں ہندوؤں کو دیتے ہیں۔ یعنی جہانگیر بھی مسلمانوں کے مغلوب ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ یہاں حضرت مجددؒ کی قید کے سلسلے میں عرض ہے کہ دارہ شکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ پر یہ بات محض بہتان اور افترا ہے کہ انھوں نے اپنا درجہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے افضل کہا ہے۔

(۶) بعض علماء نے تہجد اور نوافل کو جماعت سے ادا کرنا شروع کیا تھا۔
(۱۳۱/۱) - (۱۶۸/۱) - (۲۸۸/۱)

(۷) بعض علماء نے کفن میں عمامہ شامل کر لیا تھا اور بعض نے شملۂ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ (۱۸۶/۱)

(۸) بعض علماء نے خطبہ میں سے خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کا نام خارج کر دیا تھا (۱۵/۲)

(۹) بعض لوگ جن کے قلوب بیمار تھے تناسخ کے قائل ہو گئے تھے۔ (۵۸/۲)۔

(۱۰) خود جہانگیر نے پندرھویں سالِ جلوس کے ذیل میں لکھا ہے کہ راجوری (کشمیر) کے مسلمان راجپوتوں کے یہاں ہندوؤں کی ستی کی طرح دستور ہے کہ شوہر کے ساتھ زندہ بیوی بھی دفن کر دی جاتی ہے اور وہ لوگ اپنی بیٹی ہندوؤں کو دیدیتے ہیں۔

پھر روافض کا زور بھی بڑھتا جارہا تھا۔ (۵۴/۱) - (۸۰/۱) - (۲۵۱/۱)۔
حضرت مجددؒ تو شروع ہی میں ردِ روافض رسالہ[1] لکھ چکے تھے۔ مذکورۂ بالا فتنوں کے خلاف لکھنا اور ذی اثر امراء کو ان فتنوں کے دفعیہ کے لیے ترغیب دلانا حضرت مجددؒ کے فرائض میں شامل تھا۔

یکم صفر ۱۰۳۳ھ (۱۴؍ نومبر ۱۶۲۳ء) کو جہانگیر، اجمیر شریف سے کشمیر کے لیے روانہ ہوا (اغلب ہے کہ حضرت مجددؒ بھی اُس کے لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر سرہند تشریف

---

(۱) مولانا محمد منظور نعمانی نے تذکرۂ امامِ ربانی (لکھنؤ ۱۹۵۹ء۔ صفحہ ۲۱۲) میں لکھا ہے کہ "شیعوں کے پاس گمراہ کرنے کا سب سے بڑا حربہ" مطاعن ہیں۔ مکالمات و مباحثات میں بھی دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی بحث میں عاجز آتے اور میدانِ کلام کو اپنے لیے تنگ پاتے ہیں تو فوراً مطاعنِ صحابہؓ پر آجاتے ہیں اور اسی مبحث کو وہ اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ کی طرف سے بدگمانی اور ان سے بغض و عداوت، رفض کی اصل و اساس ہے...... حضرت مجددؒ نے رسالہ ردِ روافض کے علاوہ متعدد مکاتیب میں اس پر قلم فرمائے ہیں اور...... تمام مطاعن کا ایک اصولی جواب بھی دیا ہے۔ (دیکھیں مکتوب ۹۲/۲)۔

لائے ۔ مجمع الاولیاء کی روایت کے مطابق (ورق ۴۴۲) جب کشمیر سے جہانگیر واپس ہوا اور ضیق النفس (دمہ) کا عارضہ حضرت مجدد رح کی دعاء سے دفع ہوا اور اُسے شفا ہوئی تو کہنے لگا کہ "شیخ جیو، چوں بہ دعائے شما شفا یافتہ ام، فردا بہ طعام خانہ شما پرہیز بشکنم"۔ (ورق ۴۴۳) ۔ سرہند میں اُسے یہ کھانا بہت پسند آیا ۔ (۱)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے بھی ۱۰۲۵ھ میں اپنے زمانے کی حکومت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کے خلاف ہے ۔ (۲)

مکتوب نمبر ۶۱ میں وہ شاہ ابو المعالی رح کو بھی اسی طرح کا مضمون لکھتے ہیں کہ "گمراہ ہونے کا سب سے بڑا سبب بے صبری اور عدم استقلال اور (حکومت وقت جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہو اُن کے شر و فساد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر جب انسان خداوند کریم پر کامل یقین اور بھروسا کر لیتا ہے تو یہ لوگ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ میری کیفیت یہ ہے کہ میں حجاز کے سفر سے واپس آ کر (یعنی ۱۰۰۰ھ سے) تقریباً پچیس برس سے اس شہر میں موجود ہوں، بحمد اللہ ان لوگوں کے شر و فساد سے محض خداوند کریم کے فضل و کرم سے محفوظ و مامون ہوں ۔

محال است چوں دوست دارد ترا   کہ در دست دشمن گذارد ترا

میرے دل میں جب اس جگہ پر رہنے سے وحشت اور بے حوصلگی حد درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو دل مجبور کرتا ہے کہ اب تو دیار حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بقیہ زندگی کے ایام بسر کیے جائیں۔۔۔"

مکتوب نمبر ۱۲ میں شاہ موصوف کو لکھتے ہیں کہ "یہ فقیر اس شہر میں گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اول تو لوگ مجھے جانتے ہی نہیں اور جو جانتے ہیں وہ اچھا

---

(۱) ڈاکٹر سراج احمد خان کی کتاب کے صفحات ۱۲۰ - ۱۲۹ میں تفصیل ملتی ہے ۔

(۲) اسی سال طاعون کا زور تھا جس میں حضرت مجدد رح کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق رح وغیرہ فوت ہوئے تھے ۔ شیخ عبدالحق رح کے مکتوب نمبر ۴۶ میں بھی اس طاعون کا ذکر ہے ۔

نہیں سمجھتے۔ اس لیے میں بتصریحِ قرآن کہ واصبر علیٰ ما یقولون واھجرھم ھجراً جمیلاً۔ خاموش ہوں، لوگوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر میں حقیقۃً بُرا اور گمراہ نہیں ہوں تو اُن کا میری طرف سے ایسی چیزوں کا منسوب کرنا میرے لیے ذرّہ برابر ضرر رساں نہیں ہوسکتا اور اگر میں حقیقۃً بُرا اور گمراہ ہوں اور لوگ مجھے نیک اور اچھا سمجھتے ہیں تو اس کا اللہ کے یہاں کوئی نفع اور فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ درویش کا اصل کام تو لوگوں کے جَور و ستم، ظلم و استبداد کو برداشت کرنا ہے۔ اور جو شخص اس راستے میں قدم رکھے گا وہ لوگوں کے آزار اور ایذا سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔۔"

حضرت مجدّدؒ اور شیخ عبدالحقؒ کے ان واضح بیانات سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اکبری عہد کی "مذہبی بوالفضولیاں" اکبر کے مرنے کے بعد بھی کب تک اور کس قدر قائم رہیں۔ لیکن شیخ محمد اکرام صفحہ ۲۸۱ میں لکھتے ہیں کہ "حضرت مجدّدؒ کے مکتوبات ہی سے خود اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ وہ اس وقت لکھے گئے جب اکبر کے ساتھ اُس کی مذہبی بوالفضولیاں ختم ہوچکی تھیں"۔ شیخ مرحوم کا یہ بیان کس قدر غلط ہے! قارئین ان دو بزرگوں کے بیانات دیکھ لیں اور شیخ مرحوم کے بے بنیاد دعووں کو اور اُن کے مقصد کو سمجھ لیں۔ اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے؟۔ (۱)

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

آپ ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور اٹھارہ برس کی عمر میں علومِ عقلی و نقلی کی ہر طرح تکمیل کرلی اور درس و تدریس میں مصروف ہوگئے۔ ۹۹۶ھ میں حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے اور

---

(۱) شیخ مرحوم نے اسی صفحہ ۲۸۱ میں یہ بھی لکھا ہے کہ "وعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور اس پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل"۔ ان الفاظ کے لیے ایک نوٹ بھی لکھا ہے "حضرت مجدّدؒ اس فرق کو خوب سمجھتے تھے" (یعنی اسی وجہ سے وہ امراء کو عمل پیرائی کی ترغیب دیتے تھے)۔ شیخ مرحوم شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اُمراء کو بار بار نہ لکھنا تھا بلکہ چپ بیٹھے رہنا تھا اور اکبری الحاد کا تو پہلے ہی قلع قمع ہوچکا تھا اس لیے ان اُمراء کو لکھنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ گویا وہ محض خانہ پُری کے لیے لکھتے تھے گو کہ شیخ صاحب صفحہ ۲۰۰ میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت مجدّدؒ شیخ عبدالحقؒ اور امراء ہی نے اکبری خیالات کا قلع قمع کیا تھا۔

احمد آباد کے راستے سے بحری سفر طے کر کے اسی سال رمضان المبارک سے بہت پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں دس ماہ تک بعض محدثین سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا۔ پھر شیخ علی متقیؒ (م ۹۷۵ھ) کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے ذکر کی تلقین اور اجازت حاصل کی۔ دوسرے سال مدینہ طیبہ میں حاضری دی اور قریب ایک سال کے قیام کے بعد مکہ معظمہ واپس ہوئے۔ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان آکر پھر درس و تدریس میں مصروف ہوئے اور مختلف بلند پایہ کتابیں مرتب کیں جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔

آپ کے مکتوبات جو ۱۳۳۲ھ میں دہلی کے مطبع مجتبائی سے شائع شدہ اخبار الاخیار کے حاشیے پر بھی تھے اُن کا اُردو ترجمہ کراچی سے شائع ہوگیا ہے۔ اس میں ۶۸ مکتوبات ہیں اور شروع کے سات مکتوبات حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں۔ وہ زیادہ تر تصوف اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے پانچویں مکتوب میں احمد بن ابراہیم واسطی حضرمیؒ کے عربی رسالہ "فقر محمدی" کا ترجمہ (ملخصاً) ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ توسل و توجہ اور استمداد و ارادت صرف بارگاہِ نبوت سے ہونا چاہیے اور بدعت کے طریقوں سے بچنا چاہیے۔ چھٹے مکتوب میں مسئلہ سماع پر مفصل بحث ہے اور ساتویں مکتوب میں استقامت علی الاوراد کے محاسن ہیں۔ یہ سب مکتوبات انھوں نے اپنے شیخ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے ملاحظہ و مطالعہ کے لیے لکھے تھے جن سے وہ حرمین شریفین سے واپسی کے بعد بیعت ہوئے تھے۔

ایک مکتوب فیضی (م ۱۰۰۴ھ) کے نام ہے جس میں اہلِ دنیا اور اہلِ عقبیٰ کا فرق سمجھایا ہے لیکن وہ محرومین میں سے تھا اور اُس کے متعلق شیخ محدثؒ کا یہ جملہ اُس کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ "..... زبانِ اہلِ دین و ملتِ جنابِ نبوت را از بُردنِ نامِ وے و نامِ جماعتِ شومِ وے باک است۔ تاب اللہ علیہم ان کانوا مومنین"[1]

نواب فرید بخاری (مرتضیٰ خان۔ المتوفی ۱۰۲۵ھ) کے نام کئی مکتوبات ہیں۔

---

(۱) پروفیسر خلیق احمد نظامی: "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی" (دہلی ۱۹۵۳ء) صفحہ ۲۰۳۔
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک مکتوب نمبر ۷ امیں اکبر بادشاہ کی وفات (۱۰۱۴ھ) پر بالواسطہ تعزیت ہے اور اشارۃً فرعون کا قصہ چھیڑا ہے کہ اسے ملک وسلطنت، نیز دنیا اور اس کے اسباب کا غرور اور مستی تھی اس لیے وہ باوجود عقلمند ہونے کے بے وقوفوں کی طرح کام کرتا تھا۔ ایک شعر کا قطعہ بھی دنیا سے نفرت پیدا کرنے کے لیے لکھا ہے۔

نواب فرید کو مکتوب نمبر ۲۸ میں اور عبدالرحیم خانِ خانان (م ۱۰۳۶ھ) کو مکتوب نمبر ۲۲ میں لکھا ہے کہ آج کل مرشدِ کامل کا ملنا دشوار ہے اور اسی مکتوب نمبر ۲۲ میں ایک خاص بات یہ بھی لکھی ہے کہ "شریعتِ محمدیہ کے بھی ادوار ہیں مثلِ ادوارِ فلکیہ کے، اور ہر دور کے سو سال کے بعد اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے اس امت پر ایسے شخص کو جو دینِ محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی تجدید کرے اور اس کو قدرت دیتا ہے کہ وہ دین کو تقویت پہنچائے اور اس دین کی ترویج کرے۔ فرماتے ہیں کہ "دریں زمان کہ مائۂ حادی عشر است نورے جدید از مشرقِ ولایت ہدایت می تابد۔ بے شک دریں جا سرّے از اسرارِ الٰہی مضمر است وانکار را آن جا مجال تنگ است ...."۔ گویا شیخ محدثؒ بھی ایک مجدد کے آنے کی خوشخبری سُنا رہے ہیں اور مکتوب الیہ کو تسلی دے رہے ہیں۔ بالکل یہی بات شیخ محدثؒ نے مرج البحرین میں فرمائی ہے کہ "نا امید نباید بود کہ حقیقتِ محمدیؐ را ادوار است مثلِ دوراتِ فلکی، تا وضع ہر دورہ نسبت بکہ نشیند ونظر کو کبے از کواکبِ صفات وکمالاتش بر کہ افتد وبر روے کہ تابد، تا نورِ کمال از ناصیۂ حالش ظہور یابد ومعنیٔ عزتِ اسلام در جوہرِ ذاتش پیدا گردد۔ غالباً تمامیِ این دورہ برسر

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) اسی سے پہلے کے سنین بھی اسی کتاب سے لیے گئے ہیں۔ اسی زمانے کے ایک مکتوب الیہ عبداللہ نیازی (م ۱۰۰۰ھ) تھے جو مہدوی ہونے کی وجہ سے سلیم شاہ سوری کے حکم سے پٹوائے گئے۔ ۹۵۵ھ میں وہ ہندوستان سے بھاگ گئے تھے۔ کئی سال کے بعد واپس آئے اور سرہند میں آخر وقت تک قیام کیا۔

صد سال بود کہ یُبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ علیٰ رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ اَمْرَ دِیْنِھَا۔ اکنوں این مائۃ حادی عشر است تاسکۂ این دولت بنام کیست، مردے باید کہ اعجاز حقیقت بر دست وے باشد، تا نفوس عامۃ اہل این روزگار را کہ حقیقت را لہو و لعب خیال کردہ اند و ہزل را باجد آمیختہ، بقہر اعجاز و قوت تصرف چناں درہم کشد کہ مجال نفس بر ایشاں تنگ آید (۱) گویا حضرت مجددؒ کی طرح شیخ محدثؒ بھی ایک مجدد کی آمد کا ذکر کر رہے ہے۔ مرج البحرین میں اثبات نبوہ پر لکھنے کا بھی ذکر ہے کہ "این سخن (کہ نبوت دیگر است و سلطنت دیگر) در رسالۂ دیگر کہ در باب اثبات نبوہ نوشتہ شود بگویم کہ اثبات نبوہ چہ باشد کیست کہ نبوت را ثابت گرداند و نبوت ہمہ را ثابت گرداند۔۔۔" (۲)

مکتوب نمبر ۵ شاہ ابوالمعالیؒ لاہوریؒ (م ۱۰۲۴ھ) کے نام ہے۔ شیخ محدثؒ ان کا بہت ادب کیا کرتے تھے۔ اس مکتوب میں شیخ عبدالوہاب متقیؒ کی عنایت کردہ کتاب (رسالہ) کا ترجمہ بھی ہے اور ایک بات حضرت خواجہ باقی باللہ کی روایت میں بھی ہے کہ "ایک بار خواجہ عبیداللہ احرارؒ اور مولانا عبدالرحمن جامیؒ دونوں خراساں کے ایک بزرگ شیخ بہاءالدین عمر کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ ذکر کے اندر حبس نفس جو بزرگوں سے منقول ہے وہ سنت سے ثابت نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ کیا تم خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ کے منکر ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں، ہم تو صرف دریافت کر رہے تھے (ترجمہ)"۔ اس واقعے سے ظاہر ہے کہ حبس نفس خواجہ بہاءالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی کرتے تھے۔

---

(۱) مرج البحرین (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء)، صفحہ ۴۴۔

(۲) ایضاً۔ صفحہ ۲۵۔ غالباً شیخ محدثؒ کا یہ رسالہ اثبات نبوہ، علیحدہ موجود نہیں بلکہ مدارج النبوۃ میں شامل ہوگا۔ حضرت مجددؒ کا ایک رسالہ اسی نام سے عربی میں ہے جو اکبری عہد کے فتنۂ انکار نبوت کے رد میں ہے۔

مکتوب نمبر ۶۲ میں بھی شیخ عبدالوہاب متقیؒ کا ذکر ہے کہ وہ لوگوں پر اعتقاد نصیحت کرنے کو بھی قربِ الٰہی کا وسیلہ فرمایا کرتے تھے۔ اور خاکساری، عاجزی، تواضع اور خود کو تباہ و برباد کر دینے کو درویشی قرار دیتے تھے۔ شیخ محدثؒ کے دوسرے مکتوبات بھی درویشی سے متعلق ہیں جیسا کہ انھوں نے مکتوبات کے مقدمے میں بھی فرمایا ہے۔

جہانگیر کان کا کچا تھا۔ آخر زمانے میں وہ شیخ محدثؒ اور خواجہ حسام الدین احمدؒ سے بھی ناراض ہو گیا تھا اور دونوں کو کشمیر میں طلب کیا تھا۔ لیکن طالب ہی دوسری دنیا میں مطلوب ہوا اور وہ عتاب معلق ہو گیا۔ (۱)

محترم پروفیسر خلیق احمد نظامی نے شیخ محدثؒ کے مزاج اور مذاق کے متعلق بہت صحیح اور مختصر بات اس طرح فرمائی ہے کہ "حضرت شیخؒ سر و کتمان کے قائل تھے اور پردے پردے میں بات کرتے تھے۔" (۲)

---

(۱) سکینۃ الاولیاء بحوالۂ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ صفحہ ۱۴۸

(۲) پروفیسر موصوف۔ ۳۰۸۔ انفاس العارفین (شاہ ولی اللہؒ) کے مترجم نے (لاہور ۱۳۹۴ھ۔ صفحہ ۳۹۸ ح) شیخ محمد اکرام کی طرح لکھا ہے کہ حضرت مجددؒ سے شیخ محدثؒ کو آخر وقت تک اختلاف رہا اور "رجوع کا سارا قصہ محض عقیدت مندی کا افسانہ ہے۔" اگر شیخ محدثؒ نے رجوع نہ بھی کیا ہو تو اس سے حضرت مجددؒ کے کمالات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کلمات الصادقین جو ۱۰۲۳ھ میں لکھی گئی اُس میں (صفحہ ۱۸۷) یہ بات بھی ہے کہ حضرت مجددؒ آخر میں وحدت وجود کی طرف آ گئے تھے۔ لیکن خود حضرت مجددؒ کے کسی قول سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا۔ کلمات الصادقین کی تحریر کے وقت یعنی ۱۰۲۳ھ میں محمد صادقؒ نے صفحہ ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ اُس وقت تک حضرت مجددؒ کے ۲۴۰ سے زائد مکتوبات جمع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کسی مکتوب میں وحدتِ وجود کی طرف مائل ہونے کا ذکر نہیں ہے بلکہ مکتوب ۲۶۸ میں آپ نے پھر وحدتِ شہود کی تائید کی ہے۔

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر ہم حضرت مجددؒ اور شیخ عبدالحقؒ کے برادرانہ تعلقات کا مختصر تذکرہ کر دیں۔ وہ دونوں پیر بھائی تھے اور ایسے بلند مرتبہ تھے کہ اُن کے شیخؒ نے اُن سے متعلق فخر و مباحات کا اظہار کیا ہے۔ دونوں بہت بڑے عالم تھے اور دونوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی میں شہرت رکھتے تھے۔ پھر خلوص و محبت کا یہ عالم تھا کہ شیخ محدثؒ نے حضرت مجدد کو اپنا بھائی سمجھ کر ایک دوست شیخ اسمٰعیل کی سفارش کرنے کے لیے لکھا کہ وہ عبدالرحیم خان خاناں کے بیٹے مرزا داراب خان (م ۱۰۳۴ھ) کو لکھ دیں اور جیسا کہ مکتوب ۱/۱۱۵ سے ظاہر ہے شیخ محدثؒ کے استفسار پر حضرت مجددؒ نے بعض روحانی منازل کی تفصیل بتائی ہے۔ اور مکتوب ۲/۲۹ سے ظاہر ہے کہ حضرت مجددؒ کے قید ہونے پر شیخ محدثؒ نے ہمدردی اور دلسوزی کا خط لکھا تھا تو حضرت مجددؒ نے اپنی قید کے مصائب کو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام قرار دیا ہے اور مکتوب کے آخر میں شیخ محدثؒ کو لکھا ہے کہ :-

"وجود شریفِ ایشاں دریں غربتِ اسلام، اہلِ اسلام را مغتنم است سلّمکم اللہ سبحانہٗ وابقاکم۔ والسلام"۔ ان کلمات سے بھی اشارہ ہے کہ میں قید میں ہوں تو آپ اب غربتِ اسلام کا مداوا کریں۔ اس سے پہلے مکتوب ۱/۲۹ میں حضرت مجددؒ نے بڑی محبت[1] سے حضرت شیخ عبدالحقؒ سے ایک روایت کو نقل کیا ہے کہ "فضیلت پناہی شیخ عبدالحق کہ از مخلصانِ خواجۂ ماست نقل کردند کہ حضرت خواجہ قُبیلِ ایامِ رحلت می فرمودند کہ ما را بیقینِ یقین معلوم شدہ است کہ توحید، کوچۂ تنگ است، شاہ راہ دیگر است۔ ہر چند پیش ازیں ہم می دانستیم امّا ایں قسم یقین الکنوں بظہور آمدہ است"[2]

---

(۱) حضرت شیخ محدثؒ کو حضرت مجددؒ سے جو محبت اور عقیدت تھی اس کا ایک واقعہ حضرات القدس۔ جلد دوم (حضرت ہنم۔ کرامت ۱۱) میں بھی ملتا ہے۔

(۲) یہی بات تعلیقاتِ شرحِ رباعیات کے آخری صفحہ میں بھی ہے۔

لیکن ایسے تعلقات کے باوجود حضرت مجدّدؒ کے مکتوب ۳/۸۷ پر لوگوں میں "شور و غوغا"، اور "شہر بشہر منادی" (۳/۱۲۱) کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی تھی؟ شیخ محدثؒ نے براہِ راست، حضرت مجدّدؒ کو کیوں نہیں لکھا اور غیاب میں اعتراضات کیوں کیے؟ راقم الحروف تو ایسا لکھتے ہوئے بھی شیخ محدثؒ کی روح کے آگے شرمسار ہے۔

یہ دونوں بزرگ ہمارے سرتاج ہیں۔ حضرت مجدّدؒ نے مکتوبات (۱/۲۶۰-۲۶۱-۳۰۱، نیز ۲/۴-۲۳) وغیرہ میں ایک ہزار سال (ہجری) کے گزرنے کا ذکر کیا ہے اور ایک مجدّد کے ظہور کا اشارہ کیا ہے۔ حضرت شیخ محدثؒ نے بھی اپنے مکتوب نمبر ۲۲ میں عبدالرحیم خان خاناں سے یہی بات کہی ہے، پھر انھوں نے مرج البحرین (صفحہ ۴) میں بھی ایک مجدّدؒ کے ظہور کا اشارہ کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ شیخ محدثؒ کو کبھی کسی عالم نے مجدّد کہا تھا یا نہیں۔ لیکن حضرت مجدّدؒ (یعنی شیخ احمد فاروقی سرہندی) قدس سرہ کو اُن کے زمانے کے عالم مولانا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی سے لے کر آج تک ہر زمانے میں "مجدّد" ہی کہا گیا ہے۔

پھر حضرت مجدّدؒ نے اپنی پیدائش کا مقصد بعض مکتوبات (۲/۶، نیز ۳/۸۷ وغیرہ) میں جو کچھ بتایا ہے اُس کا ایک بہت اہم فائدہ، ہماری ظاہر بیں نگاہوں میں یہ ضرور نظر آتا ہے کہ حضرت مجدّدؒ کے زمانے سے آج تک جتنی دینی، علمی اور مجاہدانہ خدمات اُن کی اولادِ قلبی اور اولادِ معنوی نے انجام دی ہیں شاید اتنی کسی اور بزرگ کی اولاد

---

(۵) حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ مکتوب ۳/۸۷ میں فرمایا ہے اُس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز باتیں خود شیخ محدثؒ نے اخبار الاخیار کے شروع ہی میں حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے متعلق لکھی ہیں۔ مثلاً رجال الغیب، جنات اور ملائکہ پر اثرات ...... عالم جبروت کے حقائق کا کشف، عالم لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم ... مارنا جلانا... طیِ زمان و مکان، زمین و آسمان پر اجرائے ...... وغیرہ ......

نے نہیں ـــــ ہم تو یہی کہیں گے کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے ـــ او ـ

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست

حضرت مجددِ الفِ ثانی رح

حضرت مجدد رح قدس سرہ کے حُسن صورت اور حُسن سیرت کا ایک مختصر خاکہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے :-

حضرت مجدد رح کا حُلیہ ایک بلخی درویش نے خواب میں اس طرح دیکھا تھا :-
"دو سرو قد، گندمی رنگ لیکن مائل بہ سفیدی، کشادہ چشم، فراخ پیشانی، کھڑی ناک، گھنی اور بڑی ڈاڑھی والے کہ جن کا حُسن یوسفی تھا اور ملاحت محمدی ﷺ تھی، انوارِ ولایت اُن کی روشن پیشانی میں تھے اور وجاہت، وقار اور تمکین اُن کا لباس تھا . . . " (۱)

آپ کا طریقہ بالکل صحابۂ کرام رض کے طریقے کے مطابق تھا اور آپ کا لباس بھی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کبار رض کے لباس کی طرح تھا۔ یعنی سر پر عمامہ، مسواک (گوشۂ دستار سے بندھی ہوئی) عمامہ کا کنارہ دونوں کندھوں کے بیچ میں پڑا ہوا، قمیص کا گریبان دونوں کندھوں کی طرف کھُلا ہوا، پاجامہ ٹخنوں سے اوپر بلکہ پنڈلی کے وسط تک۔ پاؤں میں جوتی اور ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ کندھے پر سجادہ ہوتا تھا اور پیشانی پر کثرتِ سجود کے نشانات، پیشانی اور رخساروں پر باطنی نورانیت کے انوار رہتے تھے . . . " (۲)

خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "جب خواجہ امکنگی رح سے مراجعت پر ہمارا گزر آپ کے وطن سرہند سے ہوا تو ہم نے واقعے میں دیکھا کہ ہم سے کہا جارہا ہے کہ تم ایک قطب کے قریب ٹھہرے ہوئے ہو۔ پھر اُس قطب کا حلیہ بھی

---

(۱) حضرات القدس ۲/ ۵۸

(۲) ایضاً۔ صفحہ ۳۷۔

بتایا گیا۔ صبح کو ہم نے شہر کے مشائخ اور گوشہ نشین صلحاء کی تلاش کی، تو اُن میں سے کوئی بھی اُس حُلیے کے مطابق نہ تھا اور کسی میں قطبیت کے آثار دکھائی نہ دیے۔ دل میں خیال آیا کہ شاید اس شہر میں قطبیت والا شخص بعد میں ظاہر ہوگا۔ لیکن پھر جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ کا حُلیہ بالکل اُسی حُلیے کے مطابق دیکھا اور اُس قطبیت کی علامت آپ میں دیکھی۔" (۱)

صاحب حضرات القدس (جلد دوم۔ حضرت نہم) نے آپ کا حُلیہ پھر بیان کیا ہے کہ:-

"حضرت مجددؒ گندمی رنگ لیکن مائل بہ سفیدی تھے اور کشادہ پیشانی تھے اور آپ جیسے مرد اِر کبار تھے، آپ کی پیشانی اور چہرے سے ایک ایسا نور چمکتا تھا کہ آنکھیں اُس کے مشاہدے سے خیرہ ہو جاتی تھیں۔ آپ کشادہ ابرو تھے اور ابرو ایسے تھے جیسے ایک منحنی کمان، یعنی لمبے، سیاہ اور باریک بھی۔ اور آپ کی آنکھیں کشادہ اور بڑی بڑی تھیں۔ اُن کی سیاہی زیادہ سیاہ تھی اور سفیدی بھی بہت سفید تھی۔ آپ کی ناک بلند اور باریک تھی۔ لب سُرخ اور باریک تھے۔ مُنہ نہ لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا۔ آپ کے دانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور چمکدار تھے۔ ایسے جیسے لعلِ بدخشان اور آپ کی ریش مبارک کے بال تجاوز نہیں کرتے تھے۔ آپ دراز قد اور نازک اندام تھے اور کبھی آپ کے بدن پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ آپ کے پاؤں کی ایڑیاں ایسی صاف اور چمکدار تھیں جیسی چین اور چگل کے محبوبوں کی ہوتی ہیں۔ اور آپ کے پسینے سے کبھی ناگوار بُو نہیں آتی تھی۔ غرض کہ آپ کا

---

(۱) ایضاً۔ صفحہ ۹۰۔ زبدۃ المقامات (ترجمہ سیالکوٹ ۱۴۰۷ھ) صفحہ ۲۰۷ میں بھی یہی واقعہ درج ہے۔ اتنا اضافہ ہے کہ حضرت خواجہؒ نے یہ بھی دیکھا کہ " میں نے ایک بڑا چراغ روشن کیا۔ ہر ساعت اس کی روشنی بڑھ رہی تھی۔ پھر لوگوں نے اُس سے بہت سے چراغ روشن کیے ہیں کہ جب ہم سرہند کے اطراف میں پہنچے تو وہاں کے دشت وصحرا کو مشعل سے بھرا ہوا دیکھا۔ اس کو بھی ہم آپ کے معاملہ کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں۔"

حُسن یوسف علیہ السلام کے حُسن کی یاد تازہ کر دیتا تھا اور آپ کی وجاہت ابراہیم علیہ السلام کی وجاہت کی یاد دلاتی تھی۔ جو شخص بھی آپ کو دیکھتا، بے اختیار کہہ اٹھتا کہ یہ انسان نہیں، کوئی بزرگ فرشتہ ہیں اور بلا تامّل ہر شخص کی زبان پر اس طرح جاری ہو جاتا کہ سبحان اللہ، یہی اللہ کے ولی ہیں۔ گویا یہ حدیث کہ "اولیاء اللہ کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے" آپ کی شان میں وارد ہوئی تھی۔"[1]

آگے چل کر اسی باب (حضرت پنجم) میں ہے کہ :۔ "یہ حقیر (مؤلف) اس بزرگ امام ہمام کے خادموں میں شامل ہونے سے پہلے کبھی کبھی آپ کی مسجد میں جمعہ کی نمازوں میں شریک ہو جاتا تھا اور آپ کی نماز کو دیکھ کر بے اختیار ہو جاتا تھا اور یقین رکھتا تھا کہ آپ ہمیشہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نماز کو دیکھتے ہیں اور اسی طریقے کے مطابق آپ نماز ادا کرتے ہیں اور یوں تو اس حقیر نے دوسرے علماء اور مشائخ کو بھی دیکھا ہے۔ لیکن ایسی نماز کسی کی نہیں دیکھی۔ ہمیشہ اوّل وقت میں نماز ادا کرنا اور ایک ہی طریقے سے ہمیشہ ادا کرنا عجوبۂ روزگار معلوم ہوتا تھا۔ کبھی ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ نے اپنے وقت سے ایک لمحہ بھی تجاوز کیا ہو یا طریقۂ نماز میں کبھی قومہ یا جلسہ یا کسی آدابِ نماز میں کسی طرح کا کوئی فرق محسوس ہوا ہو۔ آپ کی نماز ہی آپ کی اعلیٰ کرامت تھی کہ خرقِ عادت اور عرفِ عالم ظاہر ہوتی تھی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہمیشہ ایک طور پر بلا کسی رنج و مشقت کے، اس طرح پوری تعظیم و توقیر، وقار، خشوع اور خضوع اور انکسار کے ساتھ نماز ادا کرنا محض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم کے کمالِ اتّباع اور آپ کی باطنی قوّت کی وجہ سے تھی۔ اسی لیے یہ حقیر (مؤلف) بلکہ ایک کثیر جماعت آپ کی نماز ہی کی وجہ سے آپ کی معتقد ہوئی تھی۔"

---

(۱) حضرات القدس (دوم) کے حضرت پنجم میں آپ کی عادات اور عبادات کی تفصیل ہے۔

حضرات القدس (دفتر دوم) کے آخر میں بدرالدین سرہندیؒ نے اپنے حالات کے ذیل میں حضرت مجددؒ کے فضائل میں یہ بھی لکھا ہے کہ "حضرت مجددؒ قدس سرہ ایک عرصے تک پشمینے کے ایک مصلّے پر نماز ادا فرماتے رہے اور چوں کہ امام مالکؒ کے مذہب میں پشمینے پر سجدہ مکروہ اور حضرت مجددؒ کا طریقہ جمعِ مذاہب کا تھا، تو آپ نے سجدے کی جگہ پر ٹاٹ کا ایک ٹکڑا سی لیا تھا۔ سالہا آپ اس مصلّے پر نماز ادا فرماتے رہے اور اس ٹکڑے پر سجدہ کرتے رہے۔

جب وہ ٹکڑا میلا ہو گیا تو خادموں نے اُسے علیحدہ کر دیا اور دوسرا کپڑا اس کی جگہ سی دیا۔ اس مسکین نے اس علیحدہ کیے ہوئے کپڑے کو جو بہت متبرک تھا اپنی پگڑی میں رکھ لیا کہ گھر جا کر اچھی جگہ پورے احترام کے ساتھ رکھ لوں گا۔ اتفاقاً رات ہو گئی اور نماز عشاء پڑھ کر سو گیا اور وہ ٹکڑا میری پگڑی ہی میں رکھا رہ گیا۔ حضرت کی بزرگی اور کرامت کے صدقے میں اُس رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بارہ مرتبہ بلکہ زیادہ مرتبہ خواب میں دیکھا۔ ہر بار بیدار ہو جاتا تھا اور پھر سو جاتا تھا اور پھر حضورِ انور صلی اللہ علیہ کو دیکھتا تھا۔ (۱)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے غلبے میں حضرت مجددؒ کا یہ قول کس قدر پر کیف ہے کہ :۔

"حق سبحانہٗ و تعالیٰ را بواسطۂ آن دوست دارم کہ ربِ محمد است (صلی اللہ علیہ وسلم)"

"(یعنی خدا سے مجھے اس لیے محبت ہے کہ میرے محمدؐ کا رب ہے۔" (۱۲/۳۱۔ مبدا و معاد۔ منہاج ۳۷)

اللہ اللہ، اس ایک مختصر جملے میں حمد اور نعت دونوں کی انتہا کر دی۔ شاید اس شان کا جملہ کسی زبان میں نہیں ہے۔

---

(۱) اسی کتاب میں شیخ حمید بنگالیؒ کے حالات میں حضرت مجددؒ کی جوتی کی برکات کا ذکر ہے۔

حضرت مجدد کی پوری تعلیم شریعت کی تبلیغ ہے۔ وہ جگہ جگہ شریعت کو مخدوم اور طریقت وحقیقت کو خادم کہتے ہیں اور شریعت کو علم عمل اور اخلاص سے وابستہ سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھیں گے اور تصوف کی بابت کچھ نہ پوچھیں گے (۱/۴۸)۔ اسی لیے خود آپ کی زندگی "فاتبعونی" کے حکم کی تعمیل تھی اور — حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے حضرت مجدد کو صورت وسیرت، علم وعمل، عمر وحیات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ایک حقیقی نمونہ بنایا تھا اور ان کی پوری زندگی کو اس حدیث کا تابع فرمادیا تھا:۔

مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔

معترضین دیکھ لیں کہ جلالی رنگ کیوں ہے اور گوشہ نشینی کیا ہے؟

مولانا عبدالشکور فاروقیؒ نے تذکرۂ امام ربانیؒ (صفحہ ۲۸۱ — ۲۸۳) میں لکھا ہے کہ "حضرتؒ کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے۔ آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے۔ الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا (کیونکہ الف ثانی کا آغاز ہی نہ ہوا تھا۔ الفِ اوّل میں خود ذاتِ اقدس واطہر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود تھی۔

آپ سے پہلے جس قدر صدیوں والے مجدد گزرے ہیں۔ ان میں سے کوئی مجدد، دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی مجدد نظر آتے ہیں۔ کوئی علمِ حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اس میں بھی کوئی فقہِ حنفی کا مجدد ہے، کوئی فقہِ شافعی کا۔ کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک واحسان کا۔ لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لیے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجددین کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت، خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابتِ تامہ حاصل ہے۔ وشتان ما بینہما۔

.... آپ کے سوا دوسرے مجدد دین کی مجددیت، نہ معلوم کتنے لوگوں کے علم میں نہ آئی اور نہ معلوم کتنوں کی مختلف فیہ رہی۔ جو اختلاف کہ معاندانہ یا معاصرانہ ہو وہ تو قطعاً قابلِ لحاظ نہیں۔ مگر جو اختلاف کہ شرائطِ مجددیت کے پائے جانے، یا نہ پائے جانے کی وجہ سے ہو وہ بے شک قابلِ لحاظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجددیت کو ان چیزوں سے بھی محفوظ رکھا اور آپ کی مجددیت کا تمام امت کو دنیا کے ہر گوشے میں علم ہوا اور جو لوگ اس معاملے میں اہلِ حل و عقد ہو سکتے ہیں ان سب نے آپ کی مجددیت کو تسلیم کیا۔"

مولانا عبدالشکور فاروقیؒ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:-

"مجدد کی سب سے بڑی پہچان اس کے کارنامے ہیں۔ حمایتِ دین، اقامتِ سنت اور ازالۂ بدعت"

اور ہمارے شیخ مولانا زوار حسینؒ اپنی کتاب "حضرت مجددِ الفِ ثانیؒ" (صفحہ ۲۷۶) میں فرماتے ہیں کہ:-

"امورِ دینیہ کا مدار پانچ اصولوں پر ہے (۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) عقوبات اور (۵) آداب .... (مختلف کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت مجدد نے دین کے ان تمام اصول و شعب میں نہایت واضح اور نمایاں تجدیدی کردار ادا فرمایا ہے"

ہم یہی کہیں گے کہ علمی اور عملی طور پر حضرت مجددؒ کے معاصرین میں سے کسی نے ایسا کردار ادا نہیں کیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بعض معترضین

شیخ محمد اکرام مرحوم نے رودِ کوثر میں حضرت مجددؒ پر بہت سے اعتراضات کیے تھے بلکہ ان کو کذب و افترا (صفحہ ۳۱۹-۳۲۰) تک کا مرتکب قرار دیا تھا۔ راقم الحروف نے اُن کی اس کتاب کا تیسرا

ایڈیشن دیکھا تھا۔ چناں چہ اُن کا اور اُن کی کتاب کا نام لیے بغیر؛ اُن جواب لیکر اُن کو بھیجدیا تھا۔ عرصے تک وہ مسودہ انھوں نے اپنے پاس رکھا۔ پھر بعد کے ایڈیشن میں کہیں کہیں ترمیم کردی اور کہیں میری تردید کی کوشش بھی کی ہے۔ لیکن اُن کو حضرت مجدد سے کد تھی، اس لیے انھوں نے دوسری کتابوں میں کوئی ترمیم نہیں کی بلکہ اُس کتاب کے بعد والے ایڈیشن میں بھی انھوں نے اپنی انا کو قائم رکھتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی ہے۔ (بعد والے ایڈیشن کی چند باتوں کا ذکر انشاءاللہ بعد میں آئے گا)۔

میرا مذکورۂ بالا جواب بعد میں ایک کتابچہ کی صورت میں ۱۹۶۵ء میں شائع ہوگیا تھا۔ اُس کے دس سال بعد ایک صاحب نے رسالۂ مہر نیم روز (کراچی ۱۹۷۵ء) میری چند باتوں پر تبصرہ کیا تھا۔ اکبر نامۂ ابوالفضل کے دیباچے میں نعتیہ کلمات دیکھ کر بے شک میرا خیال ہوا تھا کہ وہ ابوالفضل نے لکھے ہوں گے۔ لیکن اُسے یہ سعادت کہاں نصیب تھی۔ وہ نعتیہ کلمات، اکبر نامہ کے مرتب (مصحح) نے لکھے تھے۔ اُن صاحب نے ابوالفضل کی عیار دانش میں نعت نہ ہونے کی توجیہ اس طرح کی تھی کہ وہ انوار سہیلی ہی میں نہیں تھی جس کا وہ خلاصہ ہے۔ لیکن اُن صاحب کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انوار سہیلی میں نعتیہ کلمات موجود ہیں جو ابوالفضل نے اُڑا دیے ہیں۔ راقم الحروف نے یہ بھی لکھا تھا کہ فیضی کی مثنوی مرکز ادوار جو علی گڑھ میں (قلمی) موجود ہے۔ نعت سے خالی ہے۔ اُن صاحب نے لکھا کہ اگر وہ قلمی نسخہ قریب العہد ہے تو بے شک در خور اعتنا ہے ورنہ مشکوک ہے۔ یعنی فیضی نے ضرور نعت لکھی ہوگی اور منظم طور پر فیضی کی کتابوں سے بعض لوگوں نے نعت نکال دی ہوگی۔ لیکن ٹھیک یہی بات اُن کے اس قول کے خلاف کہی جاسکتی ہے کہ منظم طور پر فیضی کے دیوان میں اُس کی نیک نامی کے لیے کسی شخص نے چند نعتیہ اشعار شامل کر دیے ہوں گے۔ یا وہ اشعار فیضی نے اُس جدید عقیدے سے پہلے لکھے ہوں گے۔ تاہم یہ بات حضرت مجدد کے رسالہ اثبات النبوہ (جو دسویں

صدی ہجری کے اواخر کا ہے) سے ثابت ہے کہ اُس زمانے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام کو کس طرح ترک کیا جا رہا تھا۔(۱)

یہاں ایک بات اور عرض کر دی جائے کہ ڈاکٹر ظہور الدین صاحب نے اپنی کتاب ابو الفضل (صفحہ ۸۲) میں ابو الفضل کے ایک رقعے کا حوالہ دیا ہے جو ۱۰۰۰ھ میں لکھا تھا اور جس میں اُس نے اپنے مکتوب الیہ کو دعا دی ہے کہ اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نصیب ہو۔ لیکن ایسی تحریر مخاطب کو خوش کرنے یا اسے بے وقوف بنانے کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔(۲) جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے حضور انور

---

(۱) حسنات الحرمین (لاہور ۱۹۸۱ء) کے مرتب نے اس کے صفحہ ۲۰-۲۱ میں میرے ایک سہو کی نشان دہی ہے جو مکتوباتِ معصومیہؒ (کراچی ۱۳۹۵ھ) کے مقدمہ (صفحہ ۱۵) میں مکتوب نمبر ۱۴ سے متعلق ہے۔ وہاں دراصل کتابت میں چند الفاظ رہ گئے تھے۔ وہاں اس طرح چاہیے کہ "ذکر اوراد و وظائف کہ حضرت عروۃ الوثقی اجمع نمودہ بودند و خلیفہ مولانا محمد حنیفؒ داشتہ باشند"؛ لیکن خود مرتب سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ انھوں نے دو جگہ (صفحہ ۲۰-۲۱) لکھا ہے کہ وہ مکتوب نمبر ۱۴ مولانا محمد حنیفؒ کے نام ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ مرتب نے "معصوب" لفظ پر غور نہیں کیا۔ اُن کی اس کتاب کے صفحہ ۱۷۶ کے حاشیے میں پھر سہو ہوا ہے۔ وہ لکھ رہے ہیں کہ مکتوبِ معصومیہؒ (۳/۷۰) ۱۰۵۷ھ کا ہے اور آخری جملے خواجہ محمد معصومؒ کے حج سے متعلق ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہاں یہ ذکر ہے کہ ۱۰۵۷ھ میں امان اللہ بیگ، بُرہان پور سے سرہند آئے تھے اور اپنے مکشوفات بیان کر رہے تھے جو آخر تک درج ہیں۔

(۲) یہ بیماری سر سید کے زمانے میں بھی تھی۔ خطوطِ سر سید (نمبر ۱۳۹) میں ایک خط سید حسین بلگرامی کے نام ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ "میں تو اُن صفات کو جو ذاتِ نبویؐ میں جمع تھیں ۲ حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک سلطنت اور ایک تقدسیت۔ اوّل کی خلافت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی۔ دوسری کی خلافت حضرتِ علیؓ اور ائمہؑ اہلِ بیت کو ... حضرت عثمانؓ نے سب چیزوں کو غارت کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف برائے نام بزرگ تھے۔ بس میری رائے میں ان بزرگوں کی نسبت کچھ لکھنا اور مورخانہ تحریرات کا زیرِ مشق بنانا نہایت نامناسب ہے۔ جو ہوا سو ہوا۔ جو گزرا سو گزرا۔"

صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دین والوں کو "پیروانِ احمدی کیش" کوتاہ بیں، گم گشتگانِ بیابانِ ضلالت، سادہ لوحانِ تقلید پرست، گرفتارانِ زندانِ تقلید" کہا ہے۔ اور اس کے مرنے پر خانِ اعظم نے بلا وجہ یہ تاریخ نہیں کہی ہوگی کہ :-

ع - تیغ اعجازِ رسول اللہؐ سرِ باغی بُرید

۲-۱۰۱۳ = ۱۰۱۱ھ

اوپر عرض کیا جا چکا ہے شیخ محمد اکرام مرحوم کو اُن کے اعتراضات کا جواب (شائع کرنے سے پہلے) اُن کو بھیج دیا گیا تھا۔ اُنھوں نے رودِ کوثر کے بعد والے ایڈیشن میں کچھ ترمیم بھی کی اور بعض اعتراضات کو برقرار رکھا اور کچھ کا اضافہ بھی کیا۔ اُنھوں نے اکبر اور اُس کے حاشیہ نشین ابو الفضل کو اُن کی مصلحت پسندی اور ترکِ شعائرِ اسلام کو (جسے تقلید سے بیزاری اور عقل سے نزدیکی کہا گیا ہے) بہت سراہا ہے[1] اور اس کے برعکس، حضرت مجددؒ کی حق گوئی اور "جلالی رنگ" کو کتاب کے دیباچے سے لے کر کئی سو صفحات تک مختلف مواقع پر (نیز دوسری تحریروں میں) بُرا سمجھنے اور بُرا سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہاں اُن کے اعتراضات کے متعلق اجمالاً عرض کیا جا رہا ہے (اللہ تعالیٰ مرحوم کو معاف فرمائے اور ہماری بھی اصلاح فرمائے۔ آمین)۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابو الحسن زید فاروقی مدظلہ نے اپنی کتاب "حضرت مجددؒ اور اُن کے ناقدین" (دہلی ۱۹۷۷ء) میں بعض جدید معترضین کا جواب بڑی تحقیق اور خوش اسلوبی سے دیا ہے۔ لیکن شیخ محمد اکرام کے لیے نوبت نہیں آئی تھی۔ اب عرض ہے کہ فیضی نے تفسیر سواطع الالہام اور ابو الفضل نے اکبر نامہ "اظہارِ علم و فضل" کے لیے لکھا تھا۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے رسالہ فہرس التوالیف کے شروع میں چند فصلیں دی ہیں۔ ایک بحث شعراء پر ہے۔

---

(۱) پروفیسر اسلم محمد اسلم صاحب نے اپنی کتاب "دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر" نیز "تاریخی مقالات" میں "ترکِ شعائرِ اسلام" کی اس حقیقت کی قلعی کھولی ہے۔ آگے چل کر اس کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

اس میں وہ اپنے فرزند نورالحق مشرقیؒ کے لیے فرماتے ہیں کہ اگر وہ شب و روز مشقِ سخن کرے تو خمسۂ نظامی و خسرو کا تتبع کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی توجہ علم و صلاح کی طرف ہے۔ اسی تذکرہ میں وہ فیضی کے متعلق لکھتے ہیں :-

" .... فیضی

اگر چہ کہ در فصاحت و بلاغت و متانت در رضانت سخن ممتازِ روزگار بود ولیکن حیف کہ بجہتِ وقوع و ہبوط در بادیہ کفر و ضلالت، رقمِ انکار و ادبار بر ناصیۂ احوالِ خود کشیدہ۔ زبانِ اہلِ دین و ملتِ جنابِ نبوت را از بُردنِ نامِ وے و نامِ جماعتِ شوم وے باک است۔ تاب اللّٰہ علیہم ان کانوا مؤمنین"

شکر ہے کہ شیخ محمد اکرام نے فیضی کے متعلق شیخ عبدالحقؒ کی بات مان لی۔ (۱) لیکن اس کی جماعتِ شوم" میں ابوالفضل کو شامل نہیں سمجھا اور اُس کے متعلق حضرت مجددؒ کی بات (اثبات النبوہ کے حوالے سے بھی) نہیں مانی۔ بلکہ اکبر اور ابوالفضل کی حمایت میں انھوں نے پورا زور صرف کیا ہے اور جس کسی نے ان دونوں کے خلاف کچھ لکھا ہے وہ اُن کے نزدیک معتوب ہے۔ بدایونی نے ان لوگوں کی بے دینی پر طعن کیا ہے تو لکھتے ہیں کہ "اُس کی کتاب اکبر کے خلاف ایک چالاک بلکہ مکار وکیل استغاثہ کا بیان ہے" (صفحہ ۱۱۳۔ جدید ایڈیشن) (۲) اور بلاک مین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "اُس نے

---

(۱) لیکن اس سے پہلے رودِ کوثر کے تیسرے ایڈیشن کے صفحہ ۱۵۶ سے ۱۵۷ میں فیضی کی بھی خوب حمایت کی گئی تھی۔

(۲) محترم نے صفحہ ۸۴ پر بھی بدایونی کی خوب خبر لی ہے اور صفحہ ۱۱۳ پر لکھا ہے کہ وہ عالم نہیں تھا۔ حالانکہ صفحہ ۹۱ میں مالکی فقہ کے متعلق اس کا بیان دیا ہے۔ بدایونی کو جھوٹا کہنے والے اُس کے "حلف نامہ" کو بھی پڑھ لیتے کہ "خدائے عزّ و جل گواہ است وکفیٰ باللّٰہ شہیدا کہ مقصود از این نوشتن غیر از دردِ دین و دلسوزی بر ملتِ مرحومۂ اسلام کہ عنقا وار روئے بقاف کشیدہ ... چیزے دیگر نہ بود و نیست و از تعنت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سہو سے یا عیاری سے آئینِ اکبری کے پہلے ایڈیشن میں طریقہ اور روش کا ترجمہ دینِ الٰہی کیا (صفحہ ۱۲۹) ۔ یاد رہے محترم نے تیسرے ایڈیشن میں یہیں مُلّا مکین کو بھی سہو یا عیاری کا مرتکب ٹھہرایا تھا ۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ " مُلّا صاحب اور حکیم مصری جو چاہیں حاشیے چڑھائیں لیکن خیر اُن کے اس بیان سے ضمناً اس بات کا پتا لگ گیا کہ اس زمانے میں جب عیسائی مؤرخین کہتے تھے کہ شہر لاہور میں کوئی مسجد نہیں رہی اور سب مسجدیں ہاتھی گھوڑوں کے اصطبل بنا دیے گئے اُس وقت خود اکبر نے قلعۂ شاہی میں ایک (مختصر سی) تعمیر کروائی تھی (صفحہ ۱۱۷) (لیکن کس لیے اور کس کے لیے ؟) :-

اندریں نیز مصلحتے دارد تا نمازاں گزار بشمارد

(بقیہ گذشتہ سے پیوستہ) وحقد و حسد و تعصب بخدا پناہ می جویم " (منتخب التواریخ - ۲۶۴/۲) ۔ اور اکبر نامہ کے متعلق مولانا عبد اللہ قادری ، گلدستہ چشتی چمن (دہلی سنہ ۱۳۲۵ھ) میں لکھتے ہیں کہ " اکبر نامہ سنہ ۱۹ جلوسی میں اکبر کے حکم سے واقعاتِ آیندہ لکھنے کے لیے شروع ہوا ۔ پہلے کے واقعات سن سُنا کر یا کسی قدر خانگی متفرق یادداشتوں کی مدد سے لکھے گئے ۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۸ میں ہے کہ حضرت شیخ سلیم چشتی رح کے فرزند شیخ بدر الدین سے اکبر کی ایسی رنجش ہوئی کہ وہ خاموشی سے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے ۔ صفحہ ۳۷ میں ہے کہ اکبر پہلے اجمیر شریف پیدل حاضر ہوتا تھا لیکن پھر سنہ ۲۷ جلوسی سے تخمیناً ۲۲ سال تک وہاں کا رخ نہیں کیا ۔ صفحہ ۴۴ میں ہے کہ ابو الفضل نے (خوشامد میں) لکھا ہے کہ اکبر کو ایک سال کی عمر سے لے کر اب تک کے تمام حالات اور واقعات بخوبی یاد ہیں (بلاک مین نے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اکبر نامہ سنہ ۱۵۹۰ء یعنی ۹۹۸ھ) میں شروع ہوا اور آئینِ اکبری جو چوتھا حصہ ہے وہ اکبر کے بیالیسویں ۴۲ سال جلوس میں مکمل ہوئی ۔ اُس نے ابو الفضل کے وہ اشعار بھی مقدمہ صفحہ ۱۹ میں نقل کیے ہیں جو کشمیر کے ایک مندر کے کتبے کے لیے لکھے تھے اور وہ مندر اکبر نے بنوایا تھا) ۔

اور خود بھی آئینِ اکبری کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس میں مذہبی امور کے متعلق کئی مہمل، احمقانہ اور شعائر اسلام کے خلاف احکام ہیں اور اکبر کو موردِ اعتراض کرنے والی باتیں ہیں۔۔۔۔ (صفحہ ۱۱۸) اور اگلے صفحہ پر ابو الفضل کا یہ "عاقلانہ" بیان نقل کیا ہے کہ "جب بنی نوع انسان کی خوش قسمتی سے ایسا وقت آ جاتا ہے کہ حق پرستی کا دَور دورہ ہو تو بادشاہِ دوراں ہی کو پیشوائی جہانِ معنی، بخش دی جاتی ہے جو جلوہ زارِ کثرت میں وحدت کا سر رشتہ ڈھونڈ لیتا ہے۔ اکبر بادشاہ کو یہ پرتوِ آگہی میسّر تھا" (صفحہ ۱۱۹) یہ ایک جاہل اور بے دین بادشاہ کی تعریف ہے۔

ابو الفضل کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اگرچہ ابو الفضل تقلیدی اسلام سے اختلاف ظاہر کرتا ہے۔ لیکن وہ اکبر کے احکام اور اسلام میں کوئی تناقض نہیں بتاتا اور اس کی تصانیف میں بادشاہ کا کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس سے اسلام کی مخالفت یا تحقیر ہو" (صفحہ ۱۱۲)۔ (لیکن ہم ابھی شیخ محمد اکرام ہی کا بیان اوپر پڑھ چکے ہیں کہ آئینِ اکبری میں مذہبی امور کے متعلق کئی مہمل، احمقانہ اور شعائرِ اسلام کے خلاف احکام ہیں)۔(۱) پھر محترم (غالباً بادل ناخواستہ) اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ "شیخ

---

(۱) صفحہ ۸۴ میں ہے کہ اکبر نے بدایونی پر "فقاہت و تعصب" کا اتہام لگایا تھا۔ پروفیسر محمد اسلم اپنی کتاب "دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر" (صفحہ ۲۰۹) میں لکھتے ہیں کہ "اکبر اگر کسی کو گالی دیتا یا اس کی تحقیر کرتا تو اُسے فقیہ کہتا۔

صفحہ ۸۵ میں جہانگیر کے حوالے سے اکبر کی صلح کُل کی پالیسی کو ابتدائی زمانے سے متعلق کہا ہے۔ صفحہ ۸۷ میں کہ ۱۵۶۴ء میں جزیہ برطرف ہوا (یعنی ۹۷۲ھ میں)۔ محترم کی عادت ہے کہ کبھی عیسوی سال لکھتے ہیں اور کبھی ہجری سال)۔ صفحہ ۹۱ میں ہے کہ اکبر چار سے زیادہ بیویوں کے جواز کا فتویٰ چاہتا تھا تو بدایونی نے مالکی قاضی کی تجویز پیش کر دی (حالانکہ محترم نے صفحہ ۱۱۳ پر لکھا ہے کہ بدایونی عالم نہیں تھا)۔ صفحہ ۹۲ میں ہے کہ بادشاہ نے صحابہؓ پر اعتقاد ختم کیا اور نماز روزہ وغیرہ کو تقلیدات کہنے لگا۔ صفحہ ۹۲

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

عبد الحق محدثؒ جیسے متقی اور محتاط بزرگ اسے (دینِ الٰہی کو) نبوت کہتے تھے۔" (صفحہ ۱۲۷) (۱) شکر ہے کہ یہاں وہ اس اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں ورنہ دوسرے بزرگوں کی بات ماننے کو وہ کبھی تیار نہیں۔ پھر محترم نے بہت سے صفحات صرف اس امر کے لیے صرف کیے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے اکبری الحاد ختم نہیں کیا۔ لیکن اسلام کا عام احیا کیا تھا۔ لیکن عرض یہ ہے کہ اسلام کا احیاء کیا ہے تو کیا وہ الحاد کا قاطع نہیں کہلایا جائے گا؟

(۲) ۱۹۶۸ء کے ایڈیشن میں فرماتے ہیں :- چوں کہ اقبال کے فلسفے اور ہماری

(گزشتہ سے پیوستہ) ہیں بھی ظاہر بینوں (یعنی نماز روزہ والوں) کے خلاف ہونے کا ذکر ہے۔ صفحہ ۱۰۲ میں ہے کہ محضر پر دستخط کرنے والوں میں ابو الفضل نے اپنے باپ کا نام نہیں دیا۔ (محترم نے توجیہ فرمائی ہے کہ محضر پر جس طرح عمل چاہیے تھا ویسا نہیں ہوا۔ اس لیے باپ کا نام نہیں دیا۔ (یعنی ابو الفضل نے پیشگی ہی سمجھ لیا تھا کہ محضر پر ویسا عمل نہیں ہوگا، اس لیے باپ کا نام نہیں دیا) گویا ابو الفضل حقیقت کو پوشیدہ رکھنے کا عادی تھا۔ صفحہ ۱۰۶ میں ہے کہ ملّا یزدی (رافضی) نے بادشاہ کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا اور قاضی یعقوب نے اُس کے متعہ کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔

(۱) محترم نے (صفحہ ۲۹۶ میں) شیخ عبد الحقؒ کا ایک جملہ نقل کیا ہے کہ" ظاہر آن است کہ شما دغا خوردہ اید" صفحہ ۳۶۳ میں بھی ایسے ہی جملے ہیں۔ مولانا زید صاحب نے (صفحہ ۱۴۱ تا ۱۵۶۔ پھر بعد میں بھی) ایسی باتوں پر سیر حاصل بیان دیا ہے کہ جعلی عبارتیں بھی اُن کے پیشِ نظر تھیں اور محترم نے بھی (صفحہ ۳۶۸) میں شاہ غلام علیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ محدثؒ نے وہ اعتراضات" بطریق علمائے ظاہر" کیے تھے۔

(۲) یہاں محترم نے علامہ اقبال اور پاکستان بنانے والوں کو بھی حضرت مجددؒ کے نظریے کی پیروی کی وجہ سے بالواسطہ ناپسند کیا ہے (جدید ایڈیشن میں صفحہ ۳۲۴ - ۳۲۵ میں مجبوراً اختلاف کا حل بھی لکھنا پڑا)۔ علامہ اقبال نے محترم کو (مکاتیب اقبال - ۱۴۳/۲) لکھا تھا کہ آپ نے بیدلؔ کو صحیح طریقے پر سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ علامہ اقبال ایک جگہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

روحانی زندگی کے موجودہ رجحانات کی وجہ سے تمام وہ حضرات جنھوں نے اخلاقی جرأت اور جلالی شان دکھائی، خاص و عام میں مقبول ہیں۔ اس لیے مولانا ابوالکلام آزاد کے نقطۂ نظر کی بڑی خوشی سے پیروی ہوئی اور آج عوام النّاس ہی نہیں بلکہ اہلِ علم حضرات بھی اکبری الحاد کا قاطع فقط حضرت مجدّدؒ کو قرار دیتے ہیں" (صفحہ ۲۷۸)۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزاد کے نقطۂ نظر کی پیروی نہ عوام النّاس نے کی اور نہ اہلِ علم حضرات نے۔ وہ بے چارے بالخصوص پاکستان میں جس قدر معتوب ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ محترم نے حضرت مجدّدؒ کے سلسلے والوں کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کہیں بھی اکبری الحاد کا قاطع حضرت مجدّدؒ کو نہیں کہا، یہ اور بات ہے کہ حضرت مجدّدؒ کے سلسلے کے جتنے حضرات نے آج تک علمی اور عملی طور پر اس الحاد کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ کسی سلسلے والوں نے نہیں کی۔ لیکن محترم کو تسلی اس وقت ہوتی جب کہ حضرت مجدّدؒ کے سلسلے والے یہ جملہ بھی استعمال کرتے کہ" اکبری الحاد کو حضرت مجدّدؒ نے قطع کیا"۔

صفحہ ۱۱۹ میں محضر کے بعد بدایونی کی" آخری عمر" کا ذکر ہے۔ صفحہ ۲۰۳ ح میں بھی ذکر ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ جب دوسری بار (سنہ ۱۰۰۶ھ) دہلی تشریف لائے تو بدایونی بھی وفات پا چکے تھے۔ لیکن ۲۴۲ ح میں ہے کہ بدایونی سنہ ۱۰۲۷ھ تک زندہ رہا۔ یہ تاریخ بالکل بے بنیاد ہے۔ اتفاق سے لعل بیگ (م سنہ ۱۰۲۲ھ؟) کا لکھا ہوا تذکرہ صوفیہ ثمرات القدس من شجرات الانس، کراچی کے نیشنل میوزیم میں ہے۔ اس کے دیباچے میں انھوں نے ظاہر کیا ہے کہ وہ چالیس سال

(گزشتہ سے پیوستہ) لکھتے ہیں کہ" بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے نقشبندی سلسلے سے اور حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد یہی ہے۔ نقشبندی مسلک، حرکت اور روحانیت پر مبنی ہے"۔

(ملفوظات اقبال۔ مرتبہ محمود نظامی۔ صفحہ ۱۲۲)۔

کی عمر میں لکھ رہے ہیں اور وقتِ تحریر ایک جگہ سنہ ۱۰۰۷ھ اور دوسری جگہ سنہ ۱۰۰۸ھ ہے۔
اس میں کئی جگہ عبدالقادر بدایونی کا ذکر آتا ہے:۔

استاذ نادر الزمان عبدالقادر بداؤنی قدس سرّہ (۷۵۹۔ الف)

مولوی مخدومی استاذی نادر الزّمانی شیخ عبدالقادر بداؤنی قدس روحہ (۱۱۱۔ الف)

استاذی نادر الزمانی عبدالقادر بداؤنی (۲۷۶۔ ب)

قدس سرّہ اور قدس روحہ کے دعائیہ کلمات سے بالکل واضح ہے کہ اس تذکرے کی تحریر کے وقت عبدالقادر بدایونی زندہ نہیں تھے۔ یعنی سنہ ۱۰۰۷ھ یا سنہ ۱۰۰۸ھ سے پہلے وہ سنہ ۱۰۰۶ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ بار بار "استاذی" کے لفظ سے ظاہر ہے کہ لعل بیگ اُن کے شاگرد تھے۔ (۱)

لعل بیگ نے (ورق ۵۹۷۔ الف) لکھا ہے کہ وہ سنہ ۱۰۰۲ھ میں شاہ مراد کی ملازمت میں گجرات میں تھے اور یہ کہ (۲۰۲۔ الف) ۱۰۰۷ھ میں لاہور میں تھے۔ انھوں نے کئی جگہ (مثلاً ۸۲/الف ۔ ۶۱۱/الف) بادشاہ اکبر کو ظل اللہ، خلیفۂ وقت، خلیفۂ برحق، ظل اللہِ مطلق لکھا ہے۔ (۲)

---

(۱) محترم نے بداؤنی کو عالم ماننے سے بھی انکار کیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں لیکن دربارِ اکبری (ص ۲۵۵) میں فیضی کا جو سفارش نامہ اکبر کے نام ہے اُس میں صاف طور پر بداؤنی کو علومِ رسمی کا عالم کہا گیا ہے۔ رسالہ فکر و نظر (اسلام آباد۔ جنوری ۱۹۸۴ء) میں ڈاکٹر معین الحق مرحوم کی مرتب کردہ نجات الرشید (مصنفہ عبدالقادر بداؤنی) کے سلسلے میں غلام ربانی عزیز صاحب نے بداؤنی کے جو اوصاف لکھے ہیں اُن کو محترم اگر اپنی زندگی میں پڑھتے تو شاید زودِ کوثر میں بداؤنی پر مزید تیر و نشتر چلاتے۔ (۲) لعل بیگ نے ہمایوں کے متعلق لکھا ہے کہ (۲۴۰/الف) جنت آشیانی (ہمایوں) پہلے خواجہ خاوند محمود (بن خواجہ محمد عبداللہ بن خواجہ ناصرالدین عبیداللہ احرار) کے مرید ہوئے پھر شیخ محمد غوث کے ہوئے۔ اس کے بعد ہندوستان سے چلے گئے۔ لعل بیگ نے یہ تذکرہ (سنہ ۱۰۰۷ھ۔ سنہ ۱۰۰۸ھ) لکھا تو اس وقت گو کہ خواجہ باقی باللہ مستقل طور پر قیام پذیر ہو چکے تھے، لعل بیگ اُن سے واقف نہ ہوئے ہوں گے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق نے اخبار الاخیار میں نجم الدین مندوی (م ۱۰۰۱ھ) تک کا حال دیا ہے لیکن اپنے ذاتی حالات میں بھی (جو کتاب کے آخر میں ہیں) حضرت خواجہ باقی باللہ کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

محترم نے صفحہ ۲۰۵ میں قلیج خان کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے تذکروں میں اُن کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہؒ کی (پہلی) اہلیہ کا ذکر حضرات القدس (۴۹/۲) میں ہے کہ وہ انھی محمد قلیج خان اندجانی (م ۱۰۲۳ھ) کی بہن تھیں۔ وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ شیخ تاج الدینؒ نے حضرت مجددؒ سے معذرت خواہی کی تو انھی کو اس کے لیے ذریعہ بنایا۔ حضرت مجددؒ نے انھی تعلقات کے متعلق (صفحہ ۲۰۶ میں) اشارہ کیا ہے کہ:-

"چوں ایشاں را رشتۂ ارتباطِ حُبّی بہ حضرت معرفت پناہی قبلہ گاہی خواجۂ ما محکم بود، بنا بر آن بہ تسوید چند کلمہ محرّک آن نسبت گشت"۔

قلیج خان لاہور کے زمانے میں ہر روز ایک پہر تک تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیتے اور علومِ شرعیہ کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہتے تھے۔

صفحہ ۲۰۷ میں محترم نے لکھا ہے کہ "شیخ فرید، قلیج خان، خان اعظم، خواجہ حسام الدینؒ شیخ عبدالحقؒ اور حضرت مجددؒ نے اکبری خیالات کا قلع قمع کیا"۔ اور صفحہ ۲۸۶ میں حضرت مجددؒ کی اہمیت کو گھٹانے کے لیے یہ بھی لکھا ہے کہ "بنیادی طور پر آپ ایک شیخ طریقت تھے"۔ یعنی صرف پیری مُریدی آپ کا مقصد تھا (شیخ صاحب نے کس خوبی سے حضرت مجددؒ کی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے)[1] اور صفحہ ۲۸۱ میں لکھا ہے کہ "وعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور اُس پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل"۔ لیکن انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کام کی توفیق بھی دوسرے لوگوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے

---

(۱) محترم نے دربارِ ملّی (لاہور ۱۹۶۱ء) صفحہ ۲۴۰ میں کسی مصلحت سے توزک جہانگیری سے صرف وہی اقتباسات دیے ہیں جو حضرت مجددؒ کے خلاف ہیں۔ اور جو (صفحہ ۲۴۱) حضرت شیخ عبدالحقؒ کی تعریف میں ہیں۔ پھر کسی مصلحت سے رودِ کوثر کے بعد والے ایڈیشن میں حضرت مجددؒ کے نام کے عنوان میں قدس سرہ کلمات لگا دیے ہیں اور اسی طرح حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے عنوان میں بھی۔

۱۰۲۵ھ کے ایک مکتوب نمبر ۶۱ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ "حکومتِ وقت، اسلامی اصولوں کے خلاف ہے" اور مکتوب نمبر ۶۲ میں فرمایا ہے کہ "یہ فقیر اس شہر (دہلی) میں گم نامی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اوّل تو لوگ مجھے جانتے نہیں اور جو جانتے ہیں وہ اچھا نہیں سمجھتے" گویا انھوں نے حکومت اور لوگوں سے اپنی بے تعلقی اور بے اثری کا اعتراف فرمایا ہے۔ رہے دوسرے امراء جن سے حضرت مجددؒ کے تعلقات اپنے شیخؒ کے زمانے سے بھی تھے اُن کو آپ کا بار بار یاددہانی کرانا ہمارے محترم کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر حضرت مجددؒ اُن کو بار بار نہ لکھتے تو پھر یہ اعتراض کیا جاتا کہ دیکھیے وہ سب بُرائیاں دیکھتے ہوئے بھی چُپ رہے اور "گُم نام" رہے (۱)

حضرت مجددؒ کی اہمیت کو گھٹانے کے لیے محترم نے اکثر مواقع پر بڑی کوشش کی ہے (۲)۔ ایک دو مثالیں اور دیکھ لیجیے۔ وہ صفحہ ۲۷۴ میں فرماتے ہیں کہ "ان تین چار سالوں میں (جب کہ حضرت مجددؒ کا ساتھ تھا) جہانگیر کو ترویجِ شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ عجب نہیں کہ اس میں حضرت مجددؒ کی تعلیمات کو بھی دخل ہو" کیا اُن کے علاوہ کسی اور کی تعلیمات کے دخل کا کسی کتاب میں ذکر ہے؟

صفحہ ۲۷۵ میں بھی محترم اسی طرح گل افشانی فرماتے ہیں کہ فتح کانگڑہ کے موقع پر جہانگیر نے جو تعمیرِ مسجد، بانگِ نماز، کشتنِ گاؤ وغیرہ کے احکام صادر کیے تھے۔ "یہ امر غیر اغلب نہیں کہ دیگر علماے اسلام جو بادشاہ کے ساتھ تھے اُن میں حضرت مجددؒ

---

(۱) محترم نے صفحہ ۲۲۴ - ۲۲۶ میں شیخ یعقوب صرفیؒ کا حال لکھا ہے۔ اصل ماخذ تاریخِ کشمیر اعظمی (صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۱) میں اُن کا سالِ وفات ۱۰۰۳ھ درج ہے۔

(۲) صفحہ ۲۷۵ کے حاشیے میں حضرت مجددؒ کی خدمات پر پردہ ڈالنے والے اعتراض فرماتے ہیں کہ "خبیر و علیم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے" بے شک وہ ذات ایسی ہے۔ اور وہ آپ کو بھی جانتا ہے۔

بھی ہوں۔ محترم نے دور اندیشی سے ان علماء کے نام نہیں دیے اور یہ "امر غیر اغلب" نہیں کے الفاظ بھی کس مقصد کے لیے محترم نے استعمال کیے ہیں۔ مجمع الاولیاء میں (مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۶۴۵۔ ورق ۳۴۴۔ جس کا حوالہ ڈاکٹر سراج احمد خان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۸ میں دیا ہے)۔ یہ عبارت ہے :- (جہانگیر نے حضرت مجددؒ سے کہا) کہ "اگر شما با ما رفاقت کنید بر آن قلعہ ذبح بقر و ہدم اصنام و بناء مسجد نشترِ اسلام می کنم۔ چناں چہ ایشان ہمراہ بادشاہ بر آن قلعہ آمدند و با بادشاہ ہمہ آنچہ فرمودہ بودند بجا آوردند"۔

محترم نے صفحہ ۲۲۳ح میں زبدۃ المقامات کی تاریخ تکمیل کا ذکر کیا ہے کہ سنہ ۱۰۳۷ھ تو ہے لیکن شاہ محمد یحییٰؒ جن کی ولادت سنہ ۱۰۲۷ھ میں ہوئی تھی، اُن کی عمر وقتِ تحریر ۱۵ سال کی لکھی ہے۔ وہ غور فرماتے تو اسی کتاب میں خواجہ حسام الدین احمدؒ کے متعلق ہے کہ اس وقت سنہ ۱۰۴۳ھ میں اُن کی عمر ساٹھ سے اوپر ہے۔ (ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد بھی زبدۃ المقامات میں ترمیم و اضافہ ہوا ہو)۔

صفحہ ۲۲۴ میں زبدۃ المقامات اور حضرات القدس جیسی مستند کتابوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ اُن میں جو ابتدائی حالات سے متعلق جزئیات ہیں اُن پر یقین کرنا "خطرے سے خالی نہیں"۔ پھر اس خطرے کو دور کرنے کے لیے صفحہ ۲۲۵ میں بحث فرمائی ہے کہ جس وقت حضرت مجددؒ نے فیضی کی تفسیر کے لیے کچھ (غیر منقوطہ) عبارت مرتب کی تو وہ آگرہ (سیکری) میں نہیں، لاہور میں کی ہو گی (ثبوت کی ضرورت نہیں)۔ حالانکہ صفحہ ۳۴۸۔ ۳۴۹ میں وہ شیخ عبدالحقؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ۲۰۔ ۲۲ سال کی عمر کے بعد سیکری تشریف لے گئے (ولادت سنہ ۹۵۸ھ میں ہوئی تھی) یعنی سنہ ۹۸۰ھ کے بعد تشریف لے گئے" اور وہاں ۱۰۔ ۱۲ سال قیام رہا۔ یعنی سنہ ۹۹۲ھ کے قریب تک قیام رہا۔

ابو الفضل نے آئینِ اکبری میں اس تفسیر کی تاریخ "در سورہ اخلاص" یعنی سنہ ۹۹۲ھ دی ہے (سنہ ۱۰۰۲ھ میں نظر ثانی کے بعد مکمل ہوئی ہو گی)۔ بہر حال اس زمانے میں فیضی

آگرہ ہی میں تھا (محترم کے خیال کے مطابق لاہور میں نہیں)۔ اب شاید وہ "خطرہ" دور ہوگیا ہے جس کو بھلانے کے لیے صفحہ ۲۴۵ میں زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کے (ابتدائی) اندراجات کو وہ "تخمینی اور عمومی" فرماتے ہیں۔ گوکہ وہیں وہ مجبوراً زبدۃ المقامات کے "ابتدائی" اندراج کے مطابق مولوی محبوب الٰہی مرحوم کی بات ماننے کو تیار ہوگئے ہیں کہ رسالہ تہلیلیہ کا ذکر زبدۃ المقامات میں اُن رسائل کے ضمن میں ہوا ہے جو حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضری (ربیع الآخر ۱۰۰۸ھ) سے پہلے لکھے تھے۔

صفحہ ۲۴۱ میں فرماتے ہیں کہ رسالہ ردِ روافض میں حضرت مجددؒ نے "رگِ فاروقیم" کی ترکیب پہلی بار استعمال کی ہے۔ پھر محترم اپنے مخصوص انداز میں وہی استفہامیہ بات فرماتے ہیں کہ "کیا یہ خیال بے جا ہے کہ اُن (شیخ سلطان) سے ربط ضبط بڑھنے اور اُن کے خیالات و احساسات جاننے سے حضرت مجددؒ کی شخصیت کے اس پہلو کو تقویت پہنچی؟" محترم یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شیخ سلطان کے یہاں حضرت مجددؒ کی شادی ہوئی تو اُن کی وجہ سے حضرت مجددؒ کی شخصیت کے اس پہلو کو (یعنی جوش اور "رگِ فاروقیم" والا جذبہ کو) فروغ ہوا۔ گویا اس سے پہلے جو انھوں نے رسالہ اثبات النبوۃ لکھا تھا اس میں بڑی خاکساری دکھلائی ہوگی اور اس سے بھی پہلے جو ابوالفضل سے مباحثہ یا مناظرہ ہوا تھا تو اس وقت تو وزیر اعظم کے کے سامنے جھک جھک کر عرض و معروض کر رہے ہوں گے۔ محترم نے اس رسالے کے جوشِ استدلال کو "فصیح و بلیغ انداز" (صفحہ ۲۳۲) کہ کر اپنی جان چھڑالی۔ اور اس کے فصیح و بلیغ اندازِ بیان کی مثال دینے سے قاصر رہے، کیوں کہ ترجمے ہی سے گزارہ کیا ہے۔

صفحہ ۲۴۳ میں وہ رسالہ ردِ روافض کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ۹۹۷ھ کے بعد (کب؟) لکھا گیا ہے۔ اس سال تو وہ رسالہ ایران میں لکھا گیا تھا جس کا جواب ردِ روافض میں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایران سے وہ رسالہ آناً فاناً ہندوستان نہ آگیا

ہو گا۔ پھر حضرت مجددؒ کی شادی کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں کہ " شادی اور اکبرآباد سے واپسی کا زمانہ دسویں صدی ہجری کے آخری سال ۹۹۹ھ سے بہت پہلے کا نہ ہو گا" (صفحہ ۲۳۷)۔ شکر ہے کہ یہاں "اکبرآباد" کا لفظ بھی زبانِ قلم سے ادا ہو گیا۔ ورنہ صفحہ ۲۳۵ میں اصرار تھا کہ حضرت مجددؒ کا وہ قیام لاہور میں تھا آگرہ میں نہیں)۔ پھر محترم اگر اس شادی کی تاریخ بھی متعین فرما دیتے تو ضرور اُن کی بات مان لی جاتی کہ اُدھر شادی ہوئی اور اِدھر حضرت مجددؒ کی "رگِ فاروقیم" میں ردِّ روافض کے لیے جوش آگیا۔ محترم بھول گئے کہ صفحہ ۲۳۸ میں وہ خود ہی شیخ سلطان کی نرم مزاجی کا ذکر کر چکے ہیں کہ وہ "اشاروں سے بدایونی کو منع کرتے رہے کہ احتیاط کرے اور سمجھ سے کام لے"۔

صفحہ ۲۵۸ میں فرمایا ہے کہ " خواجہ محمد صدیق کشمیؒ اور ظہیر الدین حسن (مرید خواجہ باقی باللہؒ) اثنائے سفر میں مانڈو پہنچے"۔ صفحہ ۲۰۱ میں بھی فرمایا تھا کہ (خواجہ محمد صدیقؒ) حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مرید ظہیر الدین حسن کے ساتھ دکن پہنچے....."۔ یعنی دونوں جگہ آپ نے ظہیر الدین حسن کو خواجہ محمد صدیقؒ کا رفیقِ سفر کہا ہے۔ لیکن گلزارِ ابرار کے ترجمے میں ظہیر الدین حسن کو خواجہ محمد صدیقؒ کا والد کہا ہے۔ گلزارِ ابرار میں حضرت مجددؒ کے حالات کے ذیل میں ہے کہ " صوفی محمد صدیق ہدایت تخلص جو ظہیر الدین حسن کشمیؒ کے فرزند، اور مولانا خواجہ باقی باللہ نقشبندی اویسیؒ کے مرید ہیں۔ انھوں نے ۱۰۱۸ھ میں دہلی سے سیاحی کے اندر قدم اٹھایا..... جب صوفی صاحب ملک خاندیس پہنچے تو آگے بڑھنے کی توفیق ہمراہ نہیں ہوئی۔ بازگشت کے وقت منڈو (مانڈو) کے عبرت کدے میں جہاں غوثیؔ کی زاد بوم ہے چند روز توقف فرمایا۔ ایک روز شیخ احمد کے باکمال حالات میں نے دریافت کیے تو صوفی صاحب نے آپ کی تصنیف کا ایک رسالہ (مبدأ و معاد) جس کے اندر مصنف نے اپنی خاص واردات اور مکاشفات کو درج کیا ہے، راقم کے مطالعے کے واسطے دیا۔ رسالے کا ماحصل خلاصہ یہ ہے"..... غوثی نے گلزارِ ابرار میں حضرت مجددؒ کی معارفِ لدنیہ سے بھی اقتباسات لیے ہیں)۔

صفحہ ۲۰۸ میں محترم فرماتے ہیں کہ "کیا یہ امر عجیب نہیں کہ جہانگیر صرف اُن کے (حضرت مجددؒ) کے کارناموں سے ناواقف ہے اور اُن کا خاص احترام نہیں کرتا، بلکہ اُلٹا اُن کو قید کرلیتا ہے"۔ صفحہ ۲۷۰ میں محترم خود فرما گئے ہیں کہ "شاید مغل بادشاہ سیاسی مصلحتوں کی بناء پر نہ چاہتے تھے کہ مذہبی راہ نماؤں کا اثر بہت بڑھ جائے"۔ اور جہانگیر بقول دارا شکوہ کے (جیسا کہ اس نے سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے) درویش آزار تھا۔ پھر اسے شراب وکباب سے فرصت کہاں تھی کہ وہ حضرت مجددؒ کے کارناموں سے واقف ہوتا۔ ۱۰۲۸ھ میں جب اُس نے آپ کو قید کیا تو اسے صرف مکتوب ۱/۱۱ کے متعلق معلوم تھا اور شیخ عبدالحقؒ کے کارناموں کے متعلق بھی اُسے کیا علم تھا؟۔ توزک جہانگیری میں جشنِ چاردہمیں نوروز کے ذیل میں ہے کہ جب وہ اُس کے دربار میں تشریف لے گئے تو اسے صرف اخبار الاخیار کا علم ہو سکا۔

صفحہ ۲۸۰ میں محترم لکھتے ہیں کہ "جہانگیر نے حضرت مجددؒ کی طلبی اور قید کا واقعہ بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرتؒ کی حراست کی ایک وجہ اُن کا غرور و تفاخر تھی یعنی غالباً انھوں نے سجدۂ دربار نہ کیا تھا"۔ (کیا شیخ عبدالحقؒ نے ضرور سجدۂ دربار ادا کیا تھا؟) محترم نے اس عبارت میں جو طلبی کا ذکر کیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ جہانگیر نے انھیں طلب نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی تشریف لے گئے تھے کہ اُس سے بھی دین کے متعلق کہا جائے۔ مکتوب ۹۲/۲ میں (بالکل آخر میں) آپ نے فرمایا ہے کہ "چوں بادشاہ وقت از انقضاے ممالک خود مراجعت فرمودہ بدار الخلافہ آمدہ است یحتمل کہ این فقیر بمشیت حق سبحانہ درین نزدیکی بدار الخلافہ خود را رساند"۔ اسی مکتوب میں (تذئیل میں) آپ نے فرمایا ہے کہ سجدہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے جائز نہیں اور اسی مکتوب میں تھانیسر کے مسجد اور مقبرے کے انہدام کا ذکر ہے اور یہ کہ کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا لاتے ہیں لیکن مسلمانوں کو اسلامی احکام بجا لانے کی ممانعت ہے (مسلمان در اجراے اکثر احکام اسلام عاجز اند......) دیکھیے محترم کی عبارت کا "غالباً"۔ اب

کہاں رہا؟۔ محترم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی کوئی واسطہ نہیں تھا کہ "افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر" (1) (یعنی بہترین جہاد عدل یعنی حق کا کلمہ کہنا ہے ظالم بادشاہ کے سامنے)۔

صفحہ ۲۸۰ میں یہ بھی ہے کہ جہانگیر نے جو "شورشِ عوام فرو نشیند" کہا ہے تو اس شورش سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ معاصرین کی رائے حضرت مجددؒ کے متعلق کیا تھی؟ محترم بھول گئے کہ صفحہ ۲۷۰ میں انھوں نے اس "شورشِ عوام" کو اکبر آباد ہی تک محدود رکھا تھا۔

صفحہ ۲۸۱ اور بہت سے صفحات میں محترم نے بار بار لکھا ہے کہ اکبری الحاد کا قلع قمع حضرت مجددؒ نے نہیں کیا بلکہ "احیاے اسلام" (صفحہ ۲۸۴ بعد) کیا ہے۔ لیکن محترم نے اپنی دھن میں یہ نہیں سوچا کہ یہ احیاے اسلام کس وجہ سے کیا گیا۔ اور کفر کی ضد اسلام ہے یا نہیں؟ دنیا کے کفر کو قلع قمع کرنے کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے یا نہیں؟ کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے یہاں بھی "کفر کے قلع قمع" کرنے کے الفاظ ڈھونڈنے کی ضرورت ہی؟

صفحہ ۲۸۱ میں محترم نے کیسی طنز آمیز بات (بڑی معصومیت کے ساتھ) کہی ہے کہ "وعظ ونصیحت آسان ہوتی ہے اور اس پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل"۔ یعنی حضرت مجددؒ نے جو مختلف امراء کو دین کے لیے مکتوبات لکھے تھے تو وہ خانہ پُری کے لیے تھے۔ انھیں تو چاہیے تھا کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے کتابیں لکھ کر دل بہلاتے اور حضرت شیخ عبد الحقؒ کی طرح خاموش بیٹھتے کہ جنھوں نے اپنے متعلق خود ہی (مکتوب ۶۲ میں) لکھا ہے کہ وہ "گم نامی" کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور انھیں کوئی نہیں جانتا اور جو جانتا ہے وہ بُرا سمجھتا ہے۔

صفحہ ۲۸۳ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت خواجہؒ نے حضرت مجددؒ کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ "چراغ، شیخ احمد سرہندی ہیں" تو یہ بیان "بدیں الفاظ" نظر سے نہیں گزرا۔ بے شک، ٹھیک یہی الفاظ تو نہیں۔

---

(1) اور یہ بھی کہ "متکبروں کے ساتھ تکبر سے پیش آنا صدقہ ہے"۔ (مکتوب ۱/ ۲۸)

لیکن حضرت خواجہؒ نے رقعہ ۶۵ میں یہ تو فرمایا ہے کہ "شیخ احمد مردے است در سرہند، کثیر العلم وقوی العمل۔ روزے چند فقیر با او نشست و برخاست کردہ، عجائب بسیار از روزگار داوقات او مشاہدہ کرد بہ آں می ماند کہ چراغے شود کہ عالم ہا از روشن گردند"۔ محترم نے اسی صفحہ میں مجددؒ کی تذکرہ نگاروں اور مولانا ابوالکلام آزاد پر یہ الزام (۱) لگایا ہے کہ گویا وہ حضرت مجددؒ کو حضرت خواجہؒ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ایسا سمجھنا یا سمجھانا بھی حقیقت سے دور ہے۔ مولانا ابوالکلام نے تو اس طرح لکھا ہے کہ" دعوت کا مقام دوسرا ہے اور عزیمت دعوت کا دوسرا۔ ضرور نہیں کہ ہر رہرو کی یہاں تک رسائی ہو..... انبیاے اولوالعزم کی نیابت اور قائم مقامی یعنی مقامِ عزیمتِ دعوت کا خلعت اُنھی (حضرت مجددؒ) کے جسم پر چُست آیا۔ باقی جتنے تھے وہ یا تو مدرسوں میں پڑھاتے رہے، یا موٹی موٹی کتابیں اور نئی نئی شرحیں اور حاشیے لکھتے رہے، یا پھر تذلیل و تکفیر کے فتووں پر دستخط کرتے رہے۔ وقت کا جو اصلی کام تھا اُس کو کوئی ہاتھ نہ لگا سکا......" (۲)

حضرت خواجہؒ کی" انتہائی مسکنت" کی شہادت ان کے ملفوظات اور رقعات میں بکثرت مقامات سے ملتی ہے۔ بلکہ اُن کے زمانے کے لوگ معترض تھے کہ "شیخ فرید" کو "قبلہ گاہی سلامت" کیوں لکھتے ہیں (۳) لیکن کیا حضرت مجددؒ نے کبھی اپنے شیخ کے احترام

---

(۱) ڈاکٹر سید معین الحق مرحوم نے اپنی کتاب "معاشرتی و علمی تاریخ" (کراچی ۱۹۶۵ء) کے صفحہ ۳۱۹ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے بیان کو "گمراہ کن" کہا ہے اور شیخ فرید کے ایک خط کا اقتباس (بلا حوالہ) دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کمال کر دیا۔ وہ خط شیخ فرید کا نہیں ہے بلکہ حضرت مجددؒ کے مکتوب ۱/۴۷ کی تمہید ہے۔ ذرا وہاں دیکھنے کی زحمت فرمائی ہوتی تو "گمراہ کن" بیان کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

(۲) تذکرہ (دہلی ۱۹۶۸ء) صفحہ ۲۶۱ - ۲۶۳

(۳) محترم نے (صفحہ ۲۵۹) لکھا ہے کہ شیخ فرید کو عہدِ جہانگیری میں وہ اقتدار حاصل نہیں تھا جو عہدِ اکبری میں حاصل ہوا تھا۔ حالانکہ وہ خود صفحہ ۳۰۸ میں اُن کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

میں کوئی کمی کی تھی؟

محترم صفحہ ۲۸۵ ح میں فرماتے ہیں کہ "یہ نہ سمجھا جائے کہ نقشبندیہ طریقے کی کسی بات پر اہلِ شرع یا دوسرے سلسلوں کے ماننے والے اعتراض نہیں کرتے۔ مثلاً تصورِ شیخ یا بعض اشغال (جو یوگیوں میں بھی ہیں)" محترم اُن اشغال کا ذکر بھی کر دیتے تاکہ ہماری معلومات میں اضافہ ہو جاتا۔ شیخ عبدالحق نے مکتوب ۵۷ میں رسالہ فقرِ محمدی کا خلاصہ دیا ہے "توسّل، توجہ، استمداد و ارادت صرف بارگاہِ نبوت سے ہونا چاہیے"۔ ظاہر ہے کہ "تصورِ شیخ" اسی بارگاہِ نبوت سے مستفیض ہونے کا وسیلہ ہوتا ہے، خواہ ظاہری معنی کچھ لیے جائیں۔ مکتوب نمبر ۲۲ میں بھی "رابطہ اور توجہ بصورتِ مرشد" کا ذکر ہے (۳)

صفحہ ۲۸۹ ح میں فرماتے ہیں کہ "باطنی اصلاح اور اخلاق کی پاکیزگی پر چشتیہ سلسلے میں زیادہ زور ہے۔ ظواہر پر نہیں" (یعنی شریعت کی پابندی پر نہیں)۔ ایسا فرمانا

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) کارنامے بیان کرتے ہیں کہ جہانگیر اُن کے خیمے میں گیا، بغل گیر ہوا۔ نواب مرتضیٰ خان کا خطاب دیا۔ گجرات کا صوبیدار بنایا، پھر پنجاب کا گورنر بنایا۔ اکبر کی طرح (صفحہ ۱۸) جہانگیر بھی کئی مرتبہ دہلی میں اُن کا مہمان تھا۔ (۳) شیخ عبدالحق نے مکتوب نمبر ۲۲ میں نقشبندی طریقے بیان کیے ہیں۔ محترم نے بھی صفحہ ۲۵۵ میں حضرت مجددؒ کے حوالے سے (۱/۳۲) لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ اس نسبت کو کامل کرنے کے درپے تھے۔ مولانا ابوالحسن زید فاروقی صاحب نے اپنی کتاب (صفحہ ۵۹) میں "تصورِ شیخ" پر بحث کی ہے جو دیکھنے کے لائق ہے۔

صفحہ ۲۹۳ سے ۲۹۷ تک ولایتِ محمدیہ (علیہا الصلوٰۃ والسلام) تک جو بحث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ "رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی وفات سے ایک ہزار سال بعد ایک فردِ اُمت کی وجہ سے مقامِ خلیلی سے مستجاب ہوئے"۔ سوال کرنے والے نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور ولایتِ محمدی کے رنگ کو ایک ہی سمجھ لیا۔ تعجب اور افسوس کرنے کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کاش وہ مکتوبات (۱/ ۲۴۸) ہی کا مطالعہ کر لیتے۔

مسیح چشتیہ بزرگوں کی شان میں گستاخی ہے۔ وہ کب شریعت کی پابندی نہیں چاہتے؟ اور وہ کون سے صوفیہ ہیں جو باطنی اصلاح اور اخلاق کی پاکیزگی پر زور نہیں دیتے۔ سورہ آل عمران (۱۶۴) اور سورۃ الجمعہ (۲) وغیرہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصیات بتائی گئی ہیں اُن میں "یُزَکِّیھِم" والی صفت ہی پر تمام صوفیہ کی تعلیم کا انحصار ہے اور قرآنی تعلیم تزکیہ سے کوئی سلسلہ اعراض نہیں کرسکتا۔ خود محترم نے صفحہ ۳۱۷ میں حضرت مجددؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ "تجربات کو مُخبرِ صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشادات کی روشنی میں پرکھنا چاہیے" پر اصرار کرتے تھے۔ پھر محترم ایک چُٹکی بھرتے ہیں کہ "کاش اُن کے اپنے پُرجوش معتقدان اس اصول کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں"۔ محترم (حسبِ معمول) قارئین کو یہاں پھر دھوکا دیتے ہیں کہ وہ معتقدان اس اصول کو اختیار نہیں کرتے۔ (اس طرح کے طنز اور استفہامیہ اقوال اُن کی تحریر کا خاصّہ ہیں)۔

محترم کی ڈکشنری میں "دلچسپ" کے معنی خدا جانے کیا تھے۔ صفحہ ۲۰۰ میں خواجہ محمد صدیق کشمیؒ کا معاملہ "دلچسپ" کہا گیا ہے۔ اور صفحہ ۲۹۵ میں مکتوبات میں ایک "دلچسپ" مثال کے نظر آنے کا ذکر ہے اور صفحہ ۲۴۷ میں فرماتے ہیں کہ "ایک "نہایت دلچسپ" خط (۴۱) ایک صالحہ عورت کے نام ہے جس میں اُن شرطوں کی توضیح کی ہے جن پر عورتوں کی بیعت ہونی چاہیے"۔ یہاں وہ "نہایت دلچسپ" کے الفاظ سے قارئین کو کیا سمجھانا چاہتے ہیں؟ انھیں معلوم نہیں کہ سورۃ الممتحنہ (۱۲) میں عورتوں کی بیعت سے متعلق کیا فرمایا گیا ہے۔ (اللہ انھیں معاف فرمائے)۔ اور صفحہ ۲۹۵ میں جس "دلچسپ" مثال کا ذکر انھوں نے کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ جو طریقہ حضرت خواجہؒ کا تھا صرف سے اپنایا جائے اور یہ کہ نغمہ و سرود، نعتیہ اور غیر نعتیہ اشعار اُن کے زمانے میں نہیں تھے۔

صفحہ ۲۹۴ میں فرمایا ہے کہ "نفسیات کا اصول ہے کہ جو دُھن سر پر سوار ہو (مثلاً حضرت مجددؒ کے مقام کو گھٹانے کی دُھن) وہی عالمِ خواب یا عالمِ انجذاب میں نظر

آجاتی ہے۔" یہاں حضرت مجددؒ کے اُن اقوال کو اُلٹ پھیر کر پیش کیا ہے جہاں انھوں نے وجد و حال کی باتوں کو شریعت کی میزان میں تولنے کے لیے فرمایا تھا۔ صفحہ ۲۹۵ پر دو جگہ فرمایا ہے کہ "حضرت مجددؒ اس نکتے سے خوب واقف تھے"۔ اور "حضرت مجددؒ اس نکتے کو خوب سمجھتے تھے۔" محترم نفسیات کے اس اصول سے بھی واقف ہیں کہ ایک بات کی اُلٹ پھیر سے اُس کی اہمیت کو گھٹایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے مراقبہ کی تحقیر کی ہے لیکن انھیں معلوم نہیں کہ غارِ حرا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تحنّث فرماتے تھے۔ ایسے مراقبہ اور تحنّث کو "سر پر سوار ہونے والی دُھن" کہنا محترم ہی کے حصّے کی چیز تھی۔

صفحہ ۲۹۶ میں لکھا ہے کہ "(حضرت مجددؒ کے) ان مقامات کو بڑی اہمیت نہیں دی جا سکتی اور نہ ان کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ ان میں غلطی کا امکان نہ تھا۔ (شیخ عبد الحقؒ نے تو بعض کا شرع کی رو سے انکار کر کے یہاں تک لکھا ہے کہ ظاہر آن است کہ شما دعا خوردہ دید)۔ اوّل تو یہ بات مُحقّق نہیں کہ شیخ عبد الحقؒ نے ایسا فرمایا تھا اور اگر مان لیا جائے کہ انھوں نے ایسا فرمایا تھا تو یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے وہ معارف نہیں تھے۔[1] انھوں نے مکتوب ۲۲ میں ایک مجددؒ کے آنے کی خوش خبری ضرور سُنائی تھی لیکن انھوں نے وہ علوم و معارف کبھی بیان نہیں فرمائے جو حضرت مجددؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ اگر یہ مجددیت اور وہ بھی الفِ ثانی کی حضرت شیخ احمد فاروقی قدس سرّہ کو ملی ہے تو مجھے یہ عرض کرنے میں باک نہیں کہ بڑے بڑے علماء بھی ان مقامات کا صحیح ادراک نہیں کر سکے اور اعتراضات تو کسی شخص پر بھی کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت شیخ عبد الحقؒ نے حضرت سیدنا محی الدین عبد القادر جیلانیؒ قدس سرّہ کے متعلق اخبار الاخیار کے شروع ہی میں جو کچھ لکھا ہے وہ بے شک صحیح ہوگا۔ یعنی:-

رجال الغیب، جنّات اور ملائکہ پر اُن کے اثرات کا ذکر بھی ہے اور یہ کہ "مخلوقات کے ظاہر و باطن میں تصرّف کرنا، انسانوں اور جنّات پر حکمرانی، لوگوں کے راز اور پوشیدہ امور سے واقفیت، عالمِ ملکوت کے بواطن کی خبر، عالمِ جبروت

---

(۱) مکتوبات (۳۰۶/۱) میں ہے "این معرفت است کہ مخصوص بایں درویش است۔ دیگرے باد تکلم نہ کردہ"۔

کے حقائق کا کشف، عالمِ لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم، مواہبِ غیبیہ کی عطا، بابِ الٰہی، حوادثِ زمانہ کا تصرف و انقلاب، مارنے اور جلانے کے ساتھ متصف ہونا، اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مریضوں کی صحت، بیماروں کی شفا، طیِ زمان و مکان، زمین و آسمان پر اجرائے حکم، پانی پر چلنا، ہوا میں اُڑنا، لوگوں کے تخیل کو بدلنا، اشیاء کی طبیعت کو تبدیل کر دینا۔ غیب کی اشیاء کا منگوانا، ماضی و مستقبل کی باتوں کا بتانا وغیرہ ۔ (۱)

صفحہ ۲۹۷ میں فرماتے ہیں کہ قیومیت کا نظریہ، مکتوباتِ امامِ ربانیؒ کے کسی واضح اندراج میں نہیں ہے۔ عرض یہ ہے کہ رسالہ مبدأ و معاد کے بالکل شروع میں ہے کہ "حضرت خواجہؒ کی توجہ کی برکت سے حضرات خواجگان (نقشبندیہ) کا وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت میں کمالِ فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا"۔ یعنی یہ ان کو بالکل شروع ہی میں حاصل ہوا اور اس سے یقیناً حضرت خواجہؒ نہ صرف واقف ہوں گے بلکہ اسی جذبے سے مستفیض بھی فرمایا تھا۔

صفحہ ۲۹۹ میں محترم نے راقم الحروف کو اُن سے جو "شدید اختلاف" ہے اس کا ذکر کیا ہے (۲) محترم نے حضرت مجددؒ پر جو اعتراضات کیے تھے اُن کا جواب ۱۹۶۵ء میں ایک

---

(۱) اخبار الاخیار (ترجمہ ۔ صفحہ ۴۵ ۔ مطبوعہ کراچی) ۔ محترم نے صفحہ ۲۹۹ (سطر ۱) میں قیومیت کے لیے "آیت یا حدیث" کی تائید طلب فرمائی ہے۔ کیا اخبار الاخیار کے مذکورہ بالا الفاظ کے لیے بھی کوئی آیت یا حدیث تائید کرتی ہے ؟ ۔ محترم نے صفحہ ۳۵۰ میں شیخ عبدالحقؒ کے ایک مُرشد کے لیے اُن کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ وہ قطب الاقطاب اور سلطان السلاطین تھے۔ کیا ان الفاظ کے لیے بھی قرآن و حدیث کی تائید ملتی ہے؟

(۲) محترم سے "شدید اختلاف" دراصل اس وجہ سے ہوا تھا کہ انھوں نے رودِ کوثر کے تیسرے ایڈیشن میں (اسی کو راقم الحروف نے دیکھا تھا) حضرت مجددؒ پر "کذب و افترا" کا بہتان لگایا تھا۔ موجودہ ایڈیشن میں (صفحہ ۲۷۲ ۔ ۲۷۵) بھی انھوں نے اپنی معصومیت کا اظہار فرمایا ہے۔ مولانا ابوالحسن زید فاروقی صاحب نے اس سلسلے میں اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

رسالے کی صورت میں شائع کیا تھا اور اس کے آخر میں مولانا ابو الحسن زید فاروقی مدظلہ کا طویل مکتوب (قیومیت کے متعلق) شامل کر دیا تھا۔ اس مکتوب میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا وہ بیان بھی ہے جو حضرت مجددؒ کے مکتوب ۳/۸۰ کا ایک طرح سے خلاصہ ہے۔ (مکتوب ۳/۱۰۴ میں بھی اسی قیومیت کا ذکر ہے جو "ترتیب و تکمیل" سے متعلق ہے) ① حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے پر "نظریاتی بحث" بالکل غیر ضروری ہے اور جو لوگ دین اور تصوف سے بالکل بیگانہ ہیں اُن کے لیے تو یہ مسئلہ بہت ہی مشکل ہے۔ ہم ابھی اوپر حضرت سید محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے کمالات خود شیخ عبد الحقؒ کی زبانی پڑھ چکے ہیں کیا ان پر بھی نظریاتی بحث فرمائی جا سکے گی؟ اور کیا ہم بھی حالی کے وہ اشعار پڑھیں جو انھوں نے صفحہ ۲۹۹ میں لکھے ہیں۔؟

صفحہ ۳۰۳ میں محترم نے مکتوب ۲/۴۷ پر بھی تبصرہ فرمایا ہے اور اس کے شروع میں جو عبارت ہے — مراد الآیتین ما اراد اللہ سبحانہ و نحن نا دو لھا بما ظھر لنا۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ (محترم نے ترجمہ استعمال کیا ہے)۔ اس پر وہ اپنے مخصوص انداز (استفہامیہ) میں فرماتے ہیں کہ "کیا اس ابتدائی عبارت سے یہ امر واضح نہیں کہ حضرت مجددؒ کو اس ترجمانی پر (جیسے وہ تاویل کہتے ہیں) یقین نہ تھا؟ ② محترم نے یہاں قابلیت کا جنازہ نکال دیا۔ یعنی صفحہ ۲۹۶

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) مدارج النبوۃ کے متعلق اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ابھی چند صفحات کے بعد ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔ اس سے محترم کی معصومیت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ ① محترم نے صفحہ ۲۹۷ - ۲۹۹ میں پھر اُن مقامات کے خلاف گُل افشانی فرمائی ہے اور صفحہ ۳۶۹ میں انھوں نے مہدویت اور عقلیت کے ساتھ قیومیت کا جوڑ لگا دیا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون :-

② محترم نے رسالہ مبدأ و معاد پڑھا تھا۔ اس کے شروع ہی میں قیومیت کا ذکر ہے۔ وہ جب اس فقیر (یعنی حضرت مجددؒ) کو اس راہ کا شوق پیدا ہوا تو حق تعالیٰ جل سلطانہٗ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں حضرت مجددؒ کے بیان کردہ مقامات کے لیے "غلطی کا امکان"، لکھتے ہیں (اور صرف شیخ عبدالحقؒ کو مقامات کے سلسلے میں مستند مانتے ہیں۔ حالانکہ اُن کو ان مقامات سے تعلق نہ تھا) اور یہاں جب حضرت مجددؒ اپنی انکساری ظاہر کر رہے ہیں تو اس پر بھی محترم نکتہ چینی فرما رہے ہیں۔ انھیں شاید معلوم نہیں کہ ہر عالم متقی "واللہ اعلم بالصواب"، یا حدیث بیان کرکے " او کما قال (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)" احتیاط کے طور پر کہا کرتا ہے۔ وہ ہماری طرح نہیں ہوتا کہ ہم اپنی غلط بات منوانے پر ڈٹے رہتے ہیں اور دین اور تصوف سے نابلد ہونے کے باوجود علماء اور صلحاء کے عیب تلاش کرنے کو اپنا ہنر سمجھتے ہیں۔ اسی لیے تو یہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔

پھر محترم نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوب ۱۹۵/۳ کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہا ہے۔ حالانکہ وہاں وہ تو صرف ایسی عبارت کو ناپسند فرما رہے ہیں جس میں اُن کی تعریف کی جائے۔ (اللہ تعالیٰ محترم کو معاف فرمائے)۔ (۱)

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) کی عنایت نے مجھے سلسلۂ حضراتِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بزرگ خلیفہ (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وہیں سے میں نے ان بزرگوں کے طریقے کو اخذ کیا اور ان بزرگ کی صحبت اختیار کی۔ ان بزرگ کی توجہ کی برکت سے حضرات خواجگان (نقشبندیہ) کا وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت میں کمال فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے اس فقیر کو حاصل ہوا۔ (منتھا۔ بمنزا) اب فرمائیے کہ یہ قیومیت کہاں سے شروع ہوئی تھی؟ زبدۃ المقامات کی فصل پنجم بھی محترم کی نظر سے نہیں گزری ہوگی؟

(۱) صفحہ ۳۱۲ میں محترم نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مسئلے کو چھیڑنے کی کوشش کی ہے۔ (گویا اس مسئلے میں بھی مہارت حاصل تھی) اور ابن العربیؒ کو تو سرّ الوصال اور حضرت مجددؒ کو سرّ الفراق کا خطاب عنایت فرمایا ہے۔ اور اس کا جوڑ علامہ اقبال سے لگا دیا ہے۔ حوالے تو کہیں سے بھی کھینچ تان کر کے دیے جا سکتے ہیں۔ لیکن صرف ایک سوال پوچھنا چاہیے کہ کیا کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی جیسے الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے تھے؟

صفحہ ۳۱۹ میں حضرت مجددؒ کے ایک مکتوب کا اقتباس دیتے ہیں۔ جس کا ایک جملہ یہ ہے :۔ "مسلمانان از اظہارِ احکامِ اسلام عاجز بودند"۔ اس جملے پر ایک حاشیہ محترم نے چڑھایا ہے کہ "شاید ذبحِ بقر پر پابندیوں کی طرف اشارہ ہے"۔ کیسا بھولا پن ظاہر فرمایا ہے! گویا مسجدوں کو ڈھانا، مسلمانوں کو قتل کرنا، احکامِ اسلام اور ارکانِ اسلام پر عمل کرنے سے روکنا، رمضان میں کافروں کا کھُلّم کھُلّا کھانا کھاتے رہنا اور اُن کافروں کے تہوار پر مسلمانوں کو کھانا پکانے سے روکنا وغیرہ سب کام "ذبحِ بقر" کے ذیل میں آگئے۔

محترم نے صفحہ ۳۲۳ میں فرمایا ہے کہ "اُن کی (حضرت مجددؒ کی) بڑی خواہش تھی کہ جزیہ نئے سرے سے لگایا جائے اور ذبحِ بقر عام طور پر رائج ہو"۔ یعنی کوئی اور بڑی خواہش نہیں تھی۔ لیکن پھر محترم کچھ سنبھل کر فرماتے ہیں کہ "اُن کی نگاہِ تیز بین نے اندازہ لگالیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دینِ الٰہی کا ملغوبہ بناکر رام اور رحمٰن کو ایک کہ کر انھیں جوڑا نہیں جاسکتا...... صفحہ ۳۲۴)"۔

صفحہ ۳۱۸ میں فرمایا تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ نے راجا کے حق میں بد دعاء کی (کوئی معاصرانہ شہادت؟) لیکن عام ہندوؤں کے خلاف جوش اور غصّے کا اظہار نہیں کیا (یعنی حضرت مجددؒ نے جو ایسا اظہار کیا وہ صحیح نہیں تھا)۔ محترم نے بگڑے ہوئے اور بگاڑے ہوئے ماحول کا جس "خوبی" سے موازنہ کیا ہے وہ انھی کا حصّہ تھا اور قارئین ہی داد دے سکتے ہیں۔(۱)

---

(۱) محترم نے صفحہ ۳۲۰ میں حضرت مجددؒ کے "بدلتے ہوئے" مزاج کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ یہ بھی فرما دیتے کہ پہلے کبھی انھوں نے "خلقِ خدا" پر رحم کرنا منع کیا تھا؟ یا "اللہ کے دشمنوں" کے "جذبہ" کے خلاف کچھ فرمایا تھا۔ محترم شاید یہ چاہتے تھے کہ کفار خواہ کسی طرح کا ظلم کریں اور اسلامی شعائر بھی روکیں لیکن اُن کے سامنے مسلمانوں کو ہاتھ جوڑ کر کھڑا رہنا چاہیے تھا۔ حضرت مجددؒ نے ۱/۱۳۹ میں لکھا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسلامی شاعروں کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کفار قریش کی ہجو لکھیں جو اسلام والوں کی ہجو کرتے ہیں۔

صفحہ ۳۲۳ میں فرماتے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے "ذمی" کا لفظ استعمال نہیں کیا، ہمیشہ "اہلِ کفر" کہا ہے اور جزیہ تو کفار سے نہیں بلکہ اہلِ کتاب سے لیا جاتا ہے۔ محترم نے دینی معلومات کا مظاہرہ ہی فرما دیا۔ اب تو یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ اُن کا منصب نہیں تھا اور راقم الحروف بھی اس کا جواب دینے کا اہل نہیں۔ بہتر یہ ہوتا کہ وہ علامہ رشید رضا مصری کی تفسیر المنار کی جلد دہم میں "فصل فی حقیقۃ الجزیہ والمراد منہا" دیکھ لیتے یا کسی سے سمجھ لیتے تو کافی ہو سکتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ وہ غیر مسلم جو نظامِ اسلامی کی حقانیت پر عقیدہ نہیں رکھتے لیکن اس نظام کے ماتحت امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہیں اور تقریباً تمام حقوقِ شہریت سے (مسلمانوں کی طرح) استفادہ کرتے ہیں تو اس کا کچھ معاوضہ دینا جزیہ ہے۔ اہلِ کتاب ذمیوں کی نوعیت بھی اسی مذکورۂ بالا تفسیر میں انھیں مل سکتی تھی۔

صفحہ ۳۳۷ ح میں محترم فرماتے ہیں کہ (شیخ عبدالاحد المعروف بہ میاں گل) "آدم الشعراے اردو ولی دکنی کے استاد گلشن کے پیر و مرشد تھے اور آپ کے عرف گل پر ہی اس نے اپنا تخلص گلشن رکھا تھا"

دراصل ولی دکنی شاہ گلشن کے شاگرد تھے۔ وہ اپنے فارسی رسالہ نور المعرفت میں اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ "مصنف ایں عبارت کہ بہ یُمنِ ثنا پردازیِ بزرگاں، بہ خطاب ولی سرفراز است و از شاگرداں زبدۃ العارفین حضرت شاہ گلشن ممتاز"

ولی شاعری میں سعد اللہ گلشنؒ کے شاگرد تھے۔ لیکن علی رضا کے مُرید تھے۔ خود کہتے ہیں :-

بعدِ شاہِ نجف، ولی اللہ پیرِ کامل علی رضا پایا

یعنی اے ولی اللہ (ولی) مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد علی رضا جیسا پیرِ کامل ملا ہے۔ اور علی رضا، علامہ فرخ شاہؒ کے صاحبزادے تھے جو حضرت مجددؒ کے صاحبزادے خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ گویا حضرت مجددؒ کے وہ پڑپوتے تھے۔ اور فرخ شاہ، خواجہ عبدالاحد

وحدت المعروف شاہ گلؒ کے بھائی تھے۔ (۱)

صفحہ ۳۳۹ میں محترم نے پھر دینی معلومات کا مظاہرہ کیا ہے اور تکفیر روافض کے سلسلے میں حدیثوں کو وضعی (زیادہ تر) فرمایا ہے۔ محترم زندہ ہوتے تو اُن سے سورۃ الفتح کی آخری آیت کے الفاظ "لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ" کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے عرض کیا جاتا کہ یہ تو دلیسی وضعی نہیں ہے۔

پھر اسی صفحے کے حاشیے میں فرماتے ہیں کہ "شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں اس نقطۂ نظر میں (یعنی شیعہ سنی مخالفت میں) ملائمت آئی اور علی گڑھ تحریک میں شیعہ سنی زعماء نے مل کر کام کیا۔ خود بانیِ پاکستان قائدِ اعظم اثنا عشری شیعہ تھے۔"

محترم نے یہ خوب فرمایا کہ شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ملائمت آئی۔ یعنی یہ اور بات ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے تحفۂ اثنا عشریہ لکھا۔ گویا بلاوجہ زحمت فرمائی اور شاہ ولی اللہؒ کے ہم عصر میرزا مظہر جانِ جاناں بھی بلاوجہ شہید کیے گئے۔ پھر خود محترم نے اسی کتاب میں شاہ ولی اللہؒ کے زمانے سے بعد تک جو شیعوں کے حالات کا جائزہ لیا ہے (اور بالخصوص نور اللہ شوستری کی مجالس المؤمنین پر تبصرہ کیا ہے) وہ بھی بلاوجہ ہے۔

مذکورۂ بالا عبارت میں محترم نے قائدِ اعظم کو "اثنا عشری شیعہ" کہا ہے ہماری معلومات تو یہ ہیں کہ وہ پہلے ضرور خوجہ تھے۔ پھر اُن کے عقائد میں میں اصلاح ہو گئی تھی۔ البتہ پاکستان بننے کے بعد بھی عرصے تک ہندوستان کی شیعہ کانفرنسوں نے پاکستان کے خلاف بار بار کہا ہے لیکن پاکستان پر پھر مسلط بھی ہو گئے۔

صفحہ ۳۳۹ میں محترم نے فرمایا ہے کہ برہان پور کے علاقے میں "سلسلۂ

---

(۱) تفصیل کے لیے گلشن وحدت (کراچی سنہ ۱۹۲۶ء) کی تمہید اور تعلیقات دیکھیں۔ خواجہ عبدالاحدؒ کی سبیل الرشاد اور جنات الثمانیہ میں بھی حضرت مجددؒ کے کمالات مذکور ہیں۔

مجدّدیہ بلکہ اسلام کی جڑیں بہت دور نہیں پھیلیں" محترم کا ایسا فرمانا بالکل غلط ہے۔
بُرہان پور کے مضافات میں کھنڈوہ، بالاپور، آکولہ، امراوتی، ایلچپور، پھر
حیدرآباد (دکن)، مدراس بلکہ لنکا (سیلون) تک یہ سلسلہ پھیل گیا تھا اور متعدّد
مقامات پر اس کے مراکز اُسی وقت سے اب تک قائم ہیں اور اسلام تو اور آگے
تک ہے۔

صفحہ ۳۵۱ میں (اور صفحہ ۱۳۷ میں بھی) محترم نے اکبر کے رضاعی بھائی مرزا
کوکہ کو "رضائی" لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ اُن کی ڈکشنری میں اسی طرح ہو۔

صفحہ ۳۶۸ ـ ۳۶۹ میں محترم نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق (جو بیٹھے
بیٹھے کتابیں لکھتے رہتے تھے اور ان کے مطالعے کا موقع بھی اُس وقت لوگوں کو نہیں مل سکتا تھا)
کیوں کہ بقول اُن کے، "انھیں کوئی جانتا بھی نہیں تھا) حضرت مجدّدؒ کو "مجدّد"
نہیں مانتے تھے۔ یہ بات صحیح ہوگی، کیوں کہ انھوں نے مکتوب نمبر ۲۲ میں ایک
"مجدّد" کے آنے کی خبر تو ضرور سُنائی تھی، لیکن وہ شاید اپنے لیے ہی اشارہ ہوگا
اور اس میں انھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ یہیں محترم نے حسن خان افغانی اور تحریف
مکتوبات کو "اگر صحیح ہو" فرما کر شک ظاہر کیا ہے (اُن سے ایسی ہی توقع تھی)۔ پھر
"درویشانِ مغرور" (صفحہ ۳۷۰) جن کا ذکر مدارج النبوہ میں ہے محترم کے نزدیک
"مغرور" (متکبّر کے معنی میں) حضرت مجدّدؒ ہی ہوں گے (کیوں کہ انھوں نے جہانگیر
کو سجدۂ تعظیمی نہیں کیا تھا؟)۔ حالانکہ وہاں "مغرور" فریب خوردہ کے معنی میں
ہیں جن کا ذکر حضرت شیخ عبدالحقؒ کے مکتوب نمبر ۲ میں بھی احمد بن ابراہیم حضرمیؒ
کے رسالہ فقرِ محمدی کے سلسلے میں ہے اور مکتوب نمبر ۵ تو اس رسالہ کا خلاصہ بھی ہے۔
یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ راقم الحروف نے ۱۹۶۴ء میں فقرِ محمدی کے بعض
اقتباسات پیش کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا کہ مدارج النبوہ ۱۰۳۳ھ کے بہت بعد
شروع ہوئی تھی اور وہ ضخیم کتاب حضرت مجدّدؒ کی گوشہ نشینی اور پھر وصال
کے بعد تک لکھی گئی ہوگی، اس لیے شیخ عبدالحقؒ کے متعلق بدگمانی ہوگی کہ

انھوں نے "درویشانِ مغرور" (جمع کا صیغہ) حضرت مجدد کے لیے استعمال کیا ہوگا۔[1]

صفحہ ۳۷۷ میں محترم نے پھر اپنی معصومیت ظاہر کی ہے کہ شاہ غلام علیؒ نے جو شیخ عبدالحقؒ کے جواب میں رسالہ لکھا تھا اُس کے عنوان (تمہید) میں انھوں نے (یا مرتب نے) شیخ عبدالحقؒ کو ملّا عبدالحق کہا ہے۔ محترم نے معصومیت بھی ظاہر کی ہے اور "چٹکی" بھی بھری ہے۔ حالانکہ محترم بلکہ مُبتدی طلبہ بھی جانتے ہوں گے کہ مکتوبات پر عنوانات لکھنا ایک مُرتب اور جامع ہی کا کام ہوتا ہے۔ شاہ غلام علیؒ تو مکتوب نمبر ۳۷ میں لکھتے ہیں کہ "من جاہل کجا و مقابلۂ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کجا؟"۔ محترم نے پہلے بھی "میاں" اور "سلمہ" کو اپنے زمانے کے معنی دیے تھے اور اب بھی وہ "ملّا" کے موجودہ معنی لے کر شاہ غلام علیؒ پر چٹکی بھرتے ہیں۔ ملّا حسین واعظ کاشفیؒ، ملّا علی قاریؒ، ملّا بحرالعلوم وغیرہ کیا تھے؟ لیکن ملّا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کا تو انھوں نے ذکر بھی کیا ہے۔ بہرحال اب ہم محترم کی گل افشانیاں ختم کرتے ہیں ــــ اللہ تعالیٰ اُن کو اور مجھ کو معاف فرمائے۔ آمین۔

"مجددیت" سے متعلق مزید مباحث مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ

---

(۱) مدارج النبوۃ جلد اوّل کے بالکل آخر میں شیخ عبدالحقؒ لکھتے ہیں کہ "جزئیاتِ آداب دریں ابواب و ابواب دیگر بسیار است۔ در کتاب شرح سفر السادۃ (۱۰۳۳ھ) و شرح مشکوٰۃ (اشعۃ اللمعات۔ ۱۰۲۵ھ) جزء آں مذکور است۔ دریں جا کفایت باں کردہ شد" فقط۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مدارج النبوۃ ۱۰۳۳ھ کے بہت بعد لکھی گئی اور "درویشانِ مغرور" جن کا ذکر مکتوب نمبر ۲ میں بھی ہے اس کی تفصیل مکتوب نمبر ۴۵ میں ہے کہ فنائے نفس کا یہ مطلب (اس کی بُرائیوں کا چھوڑنا) ہے، نہ وہ جیسا کہ آج کل بے دین لوگ کہتے ہیں کہ ہمہ اوست اور اس پر طرہ یہ کہ اس کا نام توحید رکھتے ہیں اور شریعت کے اوامر اور نواہی کا ذرّہ برابر خیال نہیں کرتے ...... اور اپنے کو درویش اور صوفی بھی کہتے ہیں۔"

کی کتاب میں ہیں جن کا خلاصہ ابھی پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ع

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نہ شد

حضرت مولانا ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ نے اپنی کتاب کے صفحات ۱۲۳ تا ۱۶۶ میں اُس مخالفت کی تفصیل دی ہے جو حضرت شیخ عبدالحق کے ردیہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ شروع میں تو حضرت مجددؒ کے متعلق ذکر ہے کہ انھوں نے جہانگیر کو سجدۂ تحیت نہیں کیا تھا۔ (صفحہ ۱۲۳)۔ پھر دارا شکوہ کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے جو حضرت مجددؒ پر اواخرِ حال میں یہ تہمت لگائی تھی کہ وہ خود کو خلفائے راشدینؓ کے مرتبے سے زیادہ سمجھتے ہیں وہ محض افترا ہے (صفحہ ۱۲۴)۔ جس مکتوب (۱/۱۱) پر لوگوں نے "شور و غوغا" کیا وہ تو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے نزدیک قابلِ اعتراض نہیں تھا۔ وہ تو خوش ہوئے اور تصویب فرمائی (صفحہ ۱۲۵)۔ شیخ عبدالحقؒ کے اعتراضات کو پڑھ کر شاہ فتح محمد چشتیؒ خود دہلی گئے اور حقیقتِ حال شیخ نورالحقؒ سے معلوم کی کہ حسن خان افغان کسی بات پر حضرت مجددؒ سے ناراض ہوا اور اُس نے مکتوبات میں تحریفات کیں۔ ایسے مکتوبات شیخ عبدالحقؒ نے دیکھے تھے تو انھوں نے زجر و توبیخ کی تھی۔ لیکن جب اُن پر حقیقتِ حال کھلی تو انھوں نے ایک مکتوب حضرت مجددؒ کو لکھا جس میں آپ کے بیان کی تعریف اور اپنی لاعلمی کا ذکر کیا ہے۔ شاہ فتح محمد چشتی لکھتے ہیں کہ میں نے خود آپ کی لکھی ہوئی تحریر دیکھی ہے (صفحہ ۱۲۷)۔ عبداللہ خویشگی قصوری بھی تحریف شدہ عبارت پر (کہ حضرت مجددؒ نے شیخ محی الدین ابن العربیؒ اور حسین منصورؒ وغیرہ کو ملحد اور زندیق کہا ہے) حضرت مجددؒ کی "شطحیات" کو مع ایرادات خود ایراد کرتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب بادشاہ کو آپ کی براءت کا علم ہوا تو معذرت خواہ ہوا۔ (صفحہ ۱۳۰)۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحقؒ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی حیات ہی میں حضرت مجددؒ سے خوش نہیں تھے، کیونکہ وہ "میدانِ طریقت میں ہمیشہ سہارے کے محتاج رہے۔ اُن کا قدم دائرۂ تقلید سے باہر نہیں نکلا تھا۔" (صفحہ ۱۳۳)۔ وہ ایک ملولانی خط کے شروع ہی میں لکھتے ہیں کہ:۔

"بعد ازاں کہ در خدمتِ خواجہ باقی باللہؒ افتادند واز صحبتِ شریفِ ایشاں استفادۂ این نسبت کردند و رو بہ ترقی نہادند در حیات و بعد از وفاتِ ایشان از حالات و کمالاتِ خود خبر دادن گرفتند زیادہ از حدِ حصر و قیاس، چناں کہ وچنداں کہ مردم حیران شدند"۔ لیکن یہ سب امتثالاً للامر تھا۔ (صفحہ ۱۳۴)۔ صاحبزادہ محمد صادقؒ جو صرف دس سال کے تھے اُن سے حضرت خواجہؒ "کونیۂ غیبیہ" دریافت فرماتے تو وہ علی الفور جواب عرض کر دیتے۔ (یہ بات معترضین پڑھ لیتے تو اور بھی کیا کہتے) ــــ (۱)

شیخ عبدالحقؒ نے فتوح الغیب کی فارسی شرح میں لکھا ہے کہ "عارفوں کے دلوں پر ایسے دقیق اسرار اور مخفی علوم وارد ہوتے ہیں کہ ان کے بیان سے دامانِ عبارت قاصر رہتی ہے......" (صفحہ ۱۳۵)۔ لیکن شیخ عبدالحقؒ نے حضرت مجددؒ کو ان اسرار و علوم کے لائق نہیں سمجھا اس لیے اُن کے آخری ایام میں اعتراضات کا خط لکھا۔ اس کے جواب میں (بقول مولانا وکیل احمد) ستّر سے زائد اہلِ حق نے رسالے لکھے ہیں (صفحہ ۱۳۷)۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رکھا اور جو اس کی عادتِ مستمرّہ ہے وہی اُس نے حضرت مجددؒ کے ساتھ کیا کہ ظالموں اور مبتدعین نے آپ کو ایذا پہنچائی اور متقشف (خشک) فقہاء نے انکار کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں اضافہ کرے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی حسنات میں بیشی ہوتی رہے"۔

---

(۱) اسی طرح حضرت مجددؒ کا مکتوب ۱/۷ بھی یار لوگوں نے شاید نہیں دیکھا۔ ورنہ سر پیٹ لیتے۔ اس کے شروع ہی میں ہے کہ "عرضداشتِ کمترین بندگان احمد آنکہ مقامیکہ فوقِ محدد بود روح خود را بطریقِ عروج در آنجامی یافت..."۔ دفترِ اوّل کے ابتدائی بیس مکتوبات حضرت مجددؒ نے اپنے شیخ حضرت باقی باللہؒ کو اپنی کیفیات وغیرہ سے متعلق (بغرضِ اصلاح) لکھے تھے اِن پر محاکمہ کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں کہ ایسے احوال اپنے شیخ سے اصلاحِ حال کے لیے عرض کرنا ضروری ہے۔ مکتوبات (۱/۲۹۲) میں اس غرض اور ضرورت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

(صفحہ ۱۴۱) ۔ شیخ عبدالحقؒ نے اپنے مکتوب میں حضرت مجددؒ پر جو اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے بعض بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ " این بیچارہ ہا حقیقتِ کار در نہ یافتہ و بہ اصل نہ رسیدہ دگرفتارِ ظل ماندہ اند وادّعاے آن کہ آنچہ ایشان را (یعنی حضرت مجددؒ را) دادہ اند ہیچ کس را نہ دادہ اند " مولانا زید صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عبارت بالکل جعلی ہے ۔ " حضرت مجددؒ تو اپنے کو حضراتِ مشائخ کا پروردہ اور خوشہ چیں لکھتے ہیں ۔ ایک جگہ بھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ مجھے ملا ہے کسی کو نہیں ملا " (صفحہ ۱۴۲) ۔ پھر شیخ عبدالحقؒ نے یہ الزام وارد کیا ہے کہ آپ نے حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ سے " کثرتِ ظہورِ کرامات از جہتِ آن بود کہ نزولِ ایشان ناقص بود " مولانا زید صاحب اس کے متعلق بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے کہیں بھی ایسا نہیں لکھا ۔ بلکہ مکاشفاتِ غیبیہ اور مبدأ و معاد میں اُن کی امتیازی شان اور اُن کے فیوض کا ذکر کیا ہے (صفحہ ۱۴۴) ۔ پھر شیخ عبدالحقؒ نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ " در بعض مکتوبات نوشتہ اند کہ انگارم کہ حکمت در پیدا کردن من آن است کہ تا کمال ابراہیمی و محمدی در یک جا جمع شود ۔ اللہ اعلم است از ہمہ " اس کے متعلق مولانا زید صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں عبارت صحیح نہیں لکھی گئی ۔ اصل عبارت مکتوب ۲/ ۶ میں ہے کہ " انگارم کہ مقصود از آفرینش من آن است کہ ولایتِ محمدی بہ ولایتِ ابراہیمی منصبغ گردد و حسنِ ملاحتِ این ولایت بہ اجمالِ صباحتِ آن ولایت ممتزج شود (وردنی الحدیث: اخی یوسُفُ اَصْبَحُ وَ اَنَا اَمْلَحُ) و بہ این انصباغ و امتزاج مقامِ محبوبیتِ محمدیہ بہ درجۂ عُلیا رسد " اور اجمالِ صباحت سے اشارہ اس ضمنی اتباعِ ملتِ ابراہیمی کی طرف ہے جو آیت اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفاً سے مستفاد ہے ۔ (صفحہ ۱۴۵) ۔

حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ نے بھی شیخ عبدالحقؒ وغیرہ کے اعتراضات نقل کیے ہیں کہ شیخؒ نے اسی رسالے میں لکھا ہے کہ آپ کا قول ہے کہ " جس خلوت میں میں ہوں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے دروازے پر ہیں " اور لوگوں

مشہور کیا ہے کہ آپ نے رسالۂ معراجیہ لکھا ہے، جس میں اپنی معراج کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے بلند تر بتایا ہے۔ لوگوں نے یہ بھی بہتان باندھا ہے کہ آپ نے کہا ہے "میدانِ قرب میں میں نے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے دوڑائے اور میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا۔" افسوس کہ تینوں باتیں بالکل غلط اور محض بہتان ہیں (صفحہ ۱۴۵)۔ پھر مولانا زید صاحب نے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اقوال نقل کیے ہیں کہ متابعتِ ابراہیم علیہ السلام اور خلّت کی ولایت کیا ہے (صفحہ ۱۴۶-۱۴۷)۔ لیکن حضرت شیخ محدثؒ فرماتے ہیں کہ :-

گفتہ اند کہ ہمہ کمالاتِ محمدیہ بے تفاوت در ذاتِ من حاصل است لیکن بہ تبع و طفیل است۔ مردے ثقہ صادق از ایشان شنید، آن شخص گفت ازیں جا مزیتِ شما بر انبیاء لازم می آید۔ جواب دادند کہ آں جا بہ اصالت است و ایں جا بہ طفیل"۔ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ حضرت مجددؒ نے یہ بات کبھی نہیں کہی اور نہ ایسا دعویٰ کیا ہے۔ البتہ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ بھی مجھ کو ملا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور آپ کی متابعت کی وجہ سے ملا ہے۔" (صفحہ ۱۴۹)

مولانا زید صاحب نے مکتوب ۳/۸۷ کے الفاظ "ہم بزۂ (بیس) روِ او" کی تحقیق فرمائی ہے، پھر لکھا ہے کہ اسی مکتوب کی عبارت جناب شیخؒ کے واسطے برہمی کا سبب بنی اور پھر جو کچھ حضرت مجددؒ کے معاندوں نے اُن سے کہا تھا اور جو محرّف عبارتیں پیش کی تھیں اُن سب کو انھوں نے صحیح تسلیم کر لیا (صفحہ ۱۵۲) اور مکتوب ۳/۱۲۱ کی پروا بھی نہیں کی اور لکھ دیا کہ حضرت مجددؒ نے سلوک کے تمام ہونے پر ہر واسطے کو منقطع لکھا ہے۔ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

"العیاذ باللہ ایں چہ خلاف نویسی است و ایں چہ بے تحقیق گوئی است؟ در ہیچ مکتوب ایشان ایں چنیں عبارت نیست۔" یا شیخ عفی اللہ عنک"۔

(صفحہ ۱۵۴)۔ امام شعرانیؒ، شیخ اکبرؒ، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے مشائخ کبار کے اقوال بھی اس سلسلے میں دیکھے جا سکتے ہیں (صفحہ ۱۵۴)۔

شاہ نعیم اللہ بہرائچیؒ نے اپنے شیخ حضرت میرزا جانِ جاناں شہید قدس سرہ کا یہ بیان لکھا ہے :- "می فرمودند کہ از اخلاص نامۂ شیخ عبدالحق دہلویؒ کہ بہ جانب حضرت خواجہ حسام الدین احمدؒ کہ از اجلِ خلفاے عارف و کامل و خدا آگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ اند و مکتوبے طولانی کہ بہ اولادِ خود بدین مضمون نوشتہ اند" "آنچہ مسودات افتراحات کہ بر کلماتِ قدسی آیات حضرت مجددؒ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نوشتہ ام در آبِ جمن بشوئید"، معلوم می شود کہ آنچہ غبارِ بہ نسبتِ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہ خاطر الشیاں رسیدہ بود آخر بہ صفا انجامیدہ است (پھر اخلاص نامہ بھی نقل کر دیا ہے) پھر مولانا زید صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مدارج النبوہ (غالباً) حضرت مجددؒ کی وفات سے اور جناب شیخؒ کے طویل مکتوب لکھنے سے پہلے تالیف ہوئی ہے اور اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ کتاب حضرت مجددؒ کی وفات کے بعد لکھی گئی ہے تو یہی کہا جائے گا کہ جناب شیخؒ کا معاملہ عجائبات پر مشتمل ہے۔ جو مکتوب انھوں نے حضرت مجددؒ کو لکھا تھا اُس کے شروع میں ہے کہ "تا نوبتِ این مکتوب رسید کہ باعثِ نفرت و وحشت گردید" اور اسی مکتوب کے اواخر میں ہے " این مقدار کہ مرا بہ شما نسبت محبّت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود"۔

اگر ایک ہی مکتوب نفرت و محبّت اور وحشت و اتحاد کو جمع کر سکتا ہے تو پھر تالیفاتِ مختلفہ جن کی تالیف و تحریر میں سالہا سال کا فرق ہے "بہ این چنین عزیزان و بزرگان بد نہ باید بود" اور " در مزاجِ وقت بعضے از درویشانِ مغرورِ این روزگار" کو جمع کر لیں تو کیا استبعاد ہے! (صفحہ ۱۵۸)۔

شیخ عثمان جالندھریؒ

حضرت خواجہؒ کے ایک مشہور خلیفہ شیخ عثمان جالندھری بھی تھے۔

اُن کی تصانیف[1] میں رسالہ عشقیہ، چہل مکتوبات اور تفسیر سورۃ رحمٰن موجود ہیں۔

رسالۂ عشقیہ جو راقم الحروف کی نظر سے گزرا ہے اس میں دوسو اُنتیس اوراق ہیں اور اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے:-

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد و الہ اجمعین۔ سبحان اللہ قادرے کہ خاک را از لطفِ عمیم جان بخشید و بتشریف وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ مشرف گردانید و بخلوتِ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ معز ساخت و بدولتِ وصالِ وَهُوَ مَعَكُمْ بنواخت۔ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اشارتے است باختصاص وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کرامتے ست خاص....

وارشاد پناہی منظرِ جلال ذوالجلال حضرت شیخ جلالؒ کہ خلیفۂ غوث الثقلینؒ است قدس اللہ سرہ و نخست ارادتِ فقیر بسلسلۂ قادریہ بوسیلۂ بیعت مبارکش بود و بحکمِ اشارتِ خواجہ نقشبندؒ و اجازتِ غوث الثقلینؒ....... (ارادت) نقشبندیہ از خدمتِ خواجہ اسحٰقؒ یافتہ کہ بحق و خود فانی و قربِ حیاتِ جاودانی مخلصان را از صحبتِ ایشان حاصل می شد و چون شرفِ ملازمتِ حضرت پیر دلی کوہیؒ میسر شد از کمال و لایت و محض کرامت، سہ روز توجہ بحالِ بندہ فرمودند نمودند سالہا بل قرنہا زبانِ تقریر و خامۂ تحریر در ادائے شکرِ آن عاجز و قاصر است و دورِ باقی از فیضِ ساقی یعنی منشاہ از خدمتِ حضرت خواجہ باقیؒ نصیب شد........ اے درویش تا بر چہار آتش گداختہ نہ گردی پختہ نہ شوی۔ اوّل آتشِ فقر، دوم آتشِ محبت، سوم آتشِ دم نہ زدن در قضا و قدر یعنی تسلیم و چہارم آتش از غمِ روزی بے غم بودن یعنی توکل۔ اے درویش تا ازیں چہار عقبہ درنگزری ترا عاشق نخوانند۔ و این تحفۃ القلوب و ہدیۃ الارواح بچہار فصل مفصل شد و ہر فصل بچہار باب منسوب گشتہ و ہر باب بکلام

---

(۱) حضرت شیخ عثمان جالندھریؒ سے متعلق مفصل مضمون رسالہ الرحیم (حیدر آباد سندھ نومبر ۱۹۶۷ء) میں عرض کیا گیا تھا۔

ربانی و حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و سخنانِ اہل اللہ کشائش یافت تا دوستانِ لائق و عاشقانِ صادق ازیں بہرہ برگیرند و با غیر مشغول شدن، راحت نپذیرند کہ لا وحشۃ مع اللہ ولا راحۃ مع غیر اللہ و این رسالہ مسمیٰ بہ عشقیہ، دریائے معرفت شد تا عاشق را اُلفتے باشد۔

اس مقدمے سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

(۱) مصنف پہلے حضرت شیخ جلال (تھانیسری۔ المتوفی ۹۸۹ھ)(۱) سے بیعت ہوئے جو حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۴۴ھ) کے خلیفہ تھے۔ یعنی شیخ عثمان پہلے قادری سلسلے میں بیعت ہوئے۔

(۲) پھر حضرت بہاء الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ کے "اشارہ" (روحانی) اور حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی "اجازت" (روحانی) سے خواجہ اسحٰق(۲) رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نقشبندی طریقہ اختیار کیا۔

(۳) اس کے بعد پیر ولی برکی(۳) علیہ الرحمہ سے صرف تین دن کی صحبت میں ولایت کے کمالات کے عجیب عجیب مشاہدات ہوئے۔

(۴) ان بزرگوں کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۲ھ) کی

---

(۱) خزینۃ الاصفیاء جلد اوّل۔ صفحہ ۴۴ (طبع لکھنؤ) میں کتاب کے مصنف غلام سرور لاہوری نے حضرت جلال تھانیسری کی تاریخ یوں لکھی ہے۔

جلال از جہاں چوں بہ جنت رسید | پئے سالِ ترحیل آں ذی کمال
یکے "شیخِ پاکیزہ دل" شد عیاں | دگر ہست "مہتاب عزت جلال"
۹۸۹ھ | ۹۸۹ھ

(۲) ممکن ہے کہ یہ اسحٰق "حضرت ہاشم کشمی" (صاحب زبدۃ المقامات) کے بھائی ہوں جن کے انتقال پر ہاشم نے مرثیہ لکھا تھا جو اُن کے دیوان میں موجود ہے۔

(۳) نیشنل میوزیم کراچی میں رسالۂ عشقیہ کا جو مخطوطہ ہے اس کے مقدمے میں یہاں پیر ولی برکی کے بجائے پیر ولی کو ہی ہے۔

خدمت میں مستفید ہوئے ۔

(۵) مصنف نے اس رسالے کا نام عشقیہ رکھا تھا۔ اس میں چار فصلیں ہیں اور ہر فصل میں چار باب ہیں ۔ ان فصلوں کی تفصیل اس طرح آتی ہے کہ پہلی فصل میں فقر، تسلیم، توکل اور ذکر کے چار ابواب ہیں، دوسری فصل میں بھی چار باب ہیں :- (۱) سلوک کی انتہا (۲) درویشوں کی عادات (۳) اہل اللہ کی ریاضت اور (۴) رضائے الٰہی کے تحمل سے متعلق ہیں ۔ تیسری فصل میں بھی چار باب ہیں :- (۱) خاموشی اور گوشہ نشینی (۲) ذوق و محبت (۳) شوق، اور (۴) تواضع ۔ یہ فصل طویل مباحث پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد آخری یعنی چوتھی فصل شروع ہوتی ہے اور اس میں بھی چار باب ہیں :- (۱) تفرّع (۲) عاشقوں کی جاں بازی (۳) نصیحت، دلجوئی، عیب پوشی وغیرہ اور (۴) عاشقوں کے حالات ۔ پھر خاتمۂ کتاب ہے ۔

ان تمام فصلوں میں جگہ جگہ علماء، صلحاء اور صوفیہ کے اقوال یا اشعار ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شیخ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے مرشدوں تک کے اقوال درج ہیں ۔ اور خود مصنف کے اشعار اور غزلیں بھی بکثرت آتی ہیں۔ ایک اچھی غزل (ورق نمبر ۱۵ الف) اس طرح شروع ہوتی ہے :-

اے در عیاں نہاں و نہاں در عیاں توئی — بے مثل و لا مثال ، نشاں بے نشاں توئی

تو آں نۂ کہ کس ز تو یابد یکے نشاں — اے برتر از بلند و بلند از گماں توئی

در ظاہرا گر ترا طلبم و آنگہی نہاں — در چوں نہاں بجوئمت آنگہ عیاں توئی

در دہر و دورِ گردشِ عالم جہان و خلق — غائب میانِ بر ہمہ و با ہماں توئی

ہر سو بروی ظاہر و ہر سو بسو نہاں — معلوم شد چناں کہ ہمیں و ہماں توئی

بودیم در پئے تو بہر سو بجست و جوی — عثماں طلسم بود جمالِ جہاں توئی

شیخ کی شاعری کا عام رنگ یہی ہے اور ہر جگہ معرفت سے متعلق اسی

رسالے کے اشعار ہیں۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کے زمانے کی تعیین کی جائے۔ انڈیا آفس لندن کا مخطوطہ نمبر ۲۹۱۵ بھی اسی رسالے کا ایک نسخہ ہے جو محمد شاہی جلوس کے اکتیسویں سال یعنی ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء میں لکھا گیا تھا۔

HERMMANN ETHE کا خیال ہے کہ "شاہ عثمان" وہی ہیں جن کے انتقال ۱۰۰۵ھ سے متعلق حضرت ہاشم کشمیؒ نے اپنے دیوان (مخطوطہ نمبر ۲۸۹۸۔ انڈیا آفس۔ لندن) میں قطعۂ تاریخ لکھا تھا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ شیخ عثمان رحؒ کے "چہل مکتوبات"[1] میں ایک مکتوب (صفحہ ۷۹) شاہجہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ) کے نام ہے جو ابتدائی عہد کا معلوم ہوتا ہے اور شیخ عثمانؒ اُن کو عدل و انصاف کے لیے نصیحت لکھ رہے ہیں۔ اس لیے ظاہر ہے کہ شیخ عثمانؒ ۱۰۳۷ھ تک ضرور زندہ تھے۔

چہل مکتوبات میں بکثرت اشعار ہیں جن میں سے اکثر شیخ عثمانؒ ہی کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُن کے تخلص کے ساتھ بھی دو غزلیں صفحہ ۸۳۔ اور صفحہ ۱۱۹ میں موجود ہیں۔ ان مکتوبات میں جگہ جگہ ریختہ کے اشعار بھی ہیں اور

---

(۱) چہل مکتوبات کا ترجمہ، اللہ والے کی قومی دکان لاہور سے شائع ہوا تھا۔ سالِ اشاعت درج نہیں۔ صفحہ ۵۰ میں شیخ الہ داد کے نام ایک مکتوب ہے جس میں اُن کو استاد زادہ کہا ہے۔ صفحہ ۴۵ میں ہے کہ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والی راہیں تعداد میں جہان کے ذرّوں کے برابر ہیں۔ لیکن سب سے نزدیک راہ، دل کا ہاتھ میں لانا ہے۔" صفحہ ۴۴ میں ایک مکتوب شیخ عبیدؒ کے نام ہے اور اُن کا ایک ریختہ (۱۵۔ اشعار کا) رسالہ عشقیہ (ورق ۶۲ ب) میں ہے۔ یہ ریختہ حافظ محمود شیرانی کی کتاب پنجاب میں اردو (لاہور ۱۹۲۸ء) کے صفحہ ۲۳۴ میں درج ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ میں شیخ عثمان جالندھری کا ذکر بھی ہے۔

رسالۂ عشقیہ میں بھی ریختہ کی ایک غزل (بارہ اشعار کی) اُن کے تخلص کے ساتھ ملتی ہے۔ اس کا مطلع اور مقطع اس طرح ہے:-

عاشقِ دیوانہ ام آؤ پیارے حبیب　　　از ہمہ بیگانہ ام آؤ پیارے حبیب

بر دلِ عثماںؔ غریب رحمتِ خود کن قریب　　　زانکہ تو ہستی مجیب آؤ پیارے حبیب

بخو

ضمیمہ

رسالہ مشائخ طرقِ اربعہ جو حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی ایک بیاض سے نقل فرمایا تھا اور وہ کابل میں حضرت نور المشائخ علیہ الرحمہ کے کتب خانے میں محفوظ تھا۔

انتسابِ ایں داعیِ کمینہ محمد الباقی بایں خانوادۂ عالیہ چناں است کہ ایں کمینہ خرقہ پوشیدہ و مصافحہ کردہ و اجازۂ تامۂ عامّہ و ارشاد یافتہ از حضرت مُرشد علی الاطلاق و غوث الآفاق فی المشارق و المغارب بالاستحقاق مخدومی و سیّدی خواجہ اسحٰق قدس سرہ و ایشاں از دو جا اجازہ و نسبت و ارشاد یافتہ اند۔ اوّلاً از والدِ خود حضرت قطب الاقطاب مولینا خواجگی کاسانی الدہبیدی قدس سرہ۔ بعد ازاں از خلیفۃ الخلفاے ایشاں حضرت مولینا لطف اللہ قدس سرہ کہ ہم بیرہ نیز بودہ اند بحضرت مولینا خواجگیؒ و حضرت مولینا لطف اللہ قدّس سرّہ از حضرت مولینا شاہ حسین مرغینانیؒ کہ از خلفاے حضرت خواجۂ احرارؒ اند۔ اوّلاً نسبت درست کردہ مجاز شدہ بودند۔ بعد از ایشاں بحضرت مولینا محمد قاضی پیوستہ از ایشاں نیز مجاز گشتہ اند۔ و بعد از ایشاں بحضرت مخدومی مولینا خواجگیؒ نیز

بیعت کرده اند - وخدمات و ایثار ہاے بے نہایت مالاً ونفساً بتقدیم
رسانیده اند - پس ازاں بہت حضرت مولینا خواجگی قدس سرہ ایشان
را صدیق خلفاء وقائم مقام مطلق خود خوانده اند - پس معلوم شد کہ
حضرت مولینا خواجگی رح وحضرت مولینا لطف اللہ رح را انتساب واجازه
از مولینا محمد قاضی است وایشاں را از خواجۂ احرار است - اعنی
حضرت ناصر الملۃ والدین خواجہ عبید اللہ - وایشاں را اجازه و انتساب
بحضرت مولینا یعقوب چرخی رح است و ایشاں را بخواجہ بہاء الحق والدین
النقشبندیہ است و ایشاں را بحضرت امیر کلال رح وایشاں را بخواجہ بابای
سماسی رح و ایشاں را بخواجہ علی عزیزاں رح رامیتنی و ایشاں را بخواجہ محمود
انجیر فغنوی رح است و ایشاں را بخواجہ عارف ریوگری رح است و ایشاں
را بحضرت قطب الاقطاب خواجۂ جہاں خواجہ عبد الخالق غجدوانی رح وایشاں
را بخواجہ یوسف ہمدانی رح وایشاں را بخواجہ ابو علی فارمدی طوسی رح وایشاں
را بخواجہ ابو القاسم گرگانی رح وایشاں را بشیخ ابو الحسن خرقانی رح وایشاں را بشیخ بایزید بسطامی رح وایشاں
به امام جعفر صادق رح - و امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ را دو نسبت است .
یکے بہ پدرِ بزرگوارِ خود امام محمد باقر رضی اللہ عنہ وایشاں را بہ امام زین
العابدین رضی اللہ عنہ وایشاں را بہ امام حسین رضی اللہ عنہ و ایشاں را
بہ پدر بزرگوارِ خود اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وایشاں
نیز جامعِ دو نسبت اند - یکے از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے واسطہ و
دوم بواسطۂ خلفاے ثلاثہ رضی اللہ عنہم - وایں نسبتے کہ امام جعفر
صادق را بہ آباے گرامی است رضی اللہ عنہم سلسلۃ الذہب می نامند لشرافتہٖ
ونزاهتہٖ ولطافتہٖ وغیرایں نسبت را سلسلۃ الفضۃ می گویند - ونسبت
دیگر امام جعفر رضی اللہ عنہ بہ پدرِ مادرِ خود است قاسم بن محمد بن
ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہم کہ از فقہاے سبعہ بوده اند و از کبار ائمۂ

دین اند و ایشاں را بحضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ است۔ و ایشاں را نیز دو نسبت است، یکے از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطہ۔ و نسبتِ دیگر بو اسطۂ خلفاے اربعہ رضی اللہ عنہم۔ لیکن از ہر یکے از خلفاء نسبتے خاص یافتہ و در طریقِ ذکرِ خفیۂ قلبی و توجہ و مراقبۂ باطن منسوب اند بحضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ طریقِ خاص ایشاں بودہ و حضراتِ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ورزشِ ایں نسبت نمودہ اند بدانچہ منسوب بحضرت صدیق اکبر اند رضی اللہ عنہ۔

مخفی نماند کہ خواجہ ابو القاسم گرگانیؒ کہ پیر خواجہ ابو علی فارمدیؒ است، ایشاں را نیز دو نسبت است، یکے بہ شیخ ابو الحسن خرقانیؒ کہ مذکور شد و نسبتِ دیگرِ ایشاں بہ شیخ ابو علی کاتبؒ است و ایشاں را بہ شیخ ابو علی رودباریؒ و ایشاں را بشیخ ابو عثمان مغربیؒ۔ و ایشاں را بہ سید الطائفہ شیخ جنیدؒ است قدس سرہ و شیخ ابو الحسن خرقانیؒ بہ سہ جا منسوب اند، یکے بہ شیخ بایزید بسطامیؒ، چناں کہ مذکور شد و ایں بحسبِ روحانیت است و دیگر بہ شیخ ابو علی رودباریؒ و شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ۔ و ایں دوم بحسبِ روحانیت است و ہم بحسبِ معنی۔ و شیخ بایزید بسطامیؒ را نسبت و بیعت بحضرت امام بحق ناطق جعفر صادق رضی اللہ عنہ چنانکہ امام غزالیؒ در کتاب طبیب القلوب خود آوردہ اند کہ شیخ بایزیدؒ بہ امام جعفر رضی اللہ عنہ بیعت فرمودہ و دوام ذکر اللہ اللہ و شکرے شکرے گفتے تا آں کہ از دنیا رحلت فرمودہ۔ انتہی کلامہ۔ و ہمچنیں است در کشف المحجوب شیخ علی عثمان جلابیؒ کہ معاصرِ شیخ ابو علی فارمدیؒ بودہ اند و در تذکرۂ عطار قدس سرہما۔

پوشیدہ نماند کہ انتسابِ اجازتِ ایں کمینہ از طریقۂ جہریۂ یشویۃ اولاً بار از حضرت قطب الاقطاب غوث الخلائق و الطرائق حضرت قاسم شیخ عالمیانؒ

عالم الکبیر بنگنی (؟) است ۔ بعدہٗ از شیخ المشائخ فی العالم الاعلم الافخم سید طبیب بلخیؒ است ۔ بعد از ایشان از برادرِ ایشان اعنی السیدا لسندالعارف باللہ و الغوث الاعظم الاعلم بلا اشتباہ سندنا و مخدومنا و استاذ نا سید عبداللہ البلخیؒ مرۃً بعد اُخریٰ وکرۃً بعد اُخریٰ اجازت نامہ عامہ ولباسِ خرقہ مشرف کردند و درہمیں طریقہ از مشائخ کبار بسیار بہ اجازت و ارشاد موفق ومبشر گردیدہ تحرزاً عن الاطناب مذکور نہ گردانید ۔ پس معلوم باشد کہ حضرت قاسم شیخؒ از طرقِ اربعۂ مشہورہ مجاز بودند ۔ لیکن روشِ طریقۂ ایشاں جہر بودہ ودریں طریقہ منسوب و مجاز اند ۔ اوّلاً از روے معنی از حضرت شیخ خدائے دادؒ واز روے صورت از دو خلیفۂ شیخ خدائے دادؒ ، اول از خواجہ مولینا نوریؒ کہ ہیجدہ ۱۸ سال در ملازمتِ ایشاں سلوک نمودہ مجاز شدہ اند وبعد ازاں از مشائخ طرقِ متعددہ وبعد از سیاحت و ملازمتِ مشائخ بحضرت مولینا ولی کوہ دریؒ پیوستہ اند و ہیجدہ ۱۸ سال دیگر در خدمتِ ایشاں بودہ ۔ بعد از وفاتِ ایشاں بہ مسندِ ارشاد نشستہ اند و می فرمودند ، با آنکہ بکبرسن رسیدہ ام ، اگر دانم کہ کسے باشد کہ ازو فائدہ می تواں گرفت ، بقیۂ عمر بخدمتِ آن عزیز بسر می بردم و غاشیہ او بردوش کشیدہ درجلوے او می رودم و ایشاں یاد از کبرائے متقدمین می دادند ۔ ھنیئاً لمن رآہُ وجالسہٗ و صاحبہٗ رضی اللہ عنہ ۔ وحضرت شیخ خدائے دادؒ را نسبت بہ شیخ جمال الدینؒ و شیخ جمال الدینؒ را نسبت بہ شیخ خادمؒ است ۔ وحضرت مخدومی سید عبداللہؒ را مع برادر نسبت بزرگوار ایشاں است کہ اعلم علمائے زمان واکبرِ کبرائے وقت بودہ اند ومشہور اند بقاضی صالح البلخیؒ ۔ وحضرت مخدومی سید عبداللہؒ را از مشائخ طرقِ متعددہ نسبتہا و اجازتہا بسیار است لم تذکرہٗ تحرزاً عن التطویل ۔ وحضرت شیخ محمد صالحؒ المشہور بقاضی و السید بشیخ علی شیخ است و ایشاں را

بشیخ علی است(؟) و ایشان را به اُلمن بابا است۔ و بعضے به ایمن آتا گفته اند و ایشان را به صدر آتاؒ۔ و بعضے ایمن آتاؒ را نسبت به شیخ جمال شاشیؒ داده اند۔ و صدر آتاؒ را به زنگی آتاؒ است و زنگی آتا را بحکیم آتاؒ و حکیم آتاؒ را به حضرت برہان المحققین خواجه احمد یسویؒ است و ایشان را به شیخ ابویوسف ہمدانیؒ است و نسبت شیخ ابویوسف ہمدانیؒ تا آخر مذکور شده۔ و خواجه احمد یسویؒ را دو نسبت دیگر است، یکے به شیخ شہاب الدین سہروردیؒ و دیگر به ارسلان باباؒ و ایشان را نسبت به حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنه نیز داده۔ چناں چه خرقۂ امانتی آں حضرت صلی اللہ علیه وسلم را حضرت سلمان رضی اللہ عنه به ایشان رسانیده اند و می تواند بود که این نسبت از راهِ معنیٰ باشد بر تقدیر صحت ـــ امّا نسبتِ این کمینه در طریقۂ علیۂ کبرویۂ و ہمدانیۂ فتحیه از کبار مشائخ دراں طریق واقع شده، خصوصاً از حضرت برہان المحققین و قطب العارفین و غوث السالکین شیخ صدر الملّة والدین البخاریؒ القراکولی است که مدّتِ دہ سال فی الخلوة والجلوة بالغدوّ والآصال والصحبة والسفر والحضر ملازم آستانِ عبودیت بوده بنظرات خاصّه و لباسِ خرقه از شیخ ترسونؒ المروی و شیخ نورالدین ابراہیم الختانیؒ که ہم پیره ہائے مخدومی الاعظم شیخ صدرالدینؒ بودند، مشرّف گردید۔ پس این ہرسه عزیز را نسبت بحضرت مخدومی قطب الاقطاب الشیخ الشہیر السامی مولینا محمد البخاریؒ است و ایشان را نسبت به حضرت مخدومی الاعظم شیخ حاجی محمدؒ الخبوشانی است و ایشان را بحضرت شاه البیدواریؒ است و ایشان را انتساب به شیخ رشید البیدوالیؒ است و ایشان را به امیر عبداللهؒ البرزش آبادی است و ایشان را به خواجه اسحٰقؒ ختلانی و ایشان را امیر کبیر سیّد علی الہمدانیؒ است و ایشان را به شیخ محمود مزدقانیؒ و ایشان را به شیخ علاء الدوله سمنانیؒ و ایشان را به شیخ عبدالرحمٰن اسفراینیؒ و ایشان را

بہ شیخ احمد الجرجانیؒ و ایشاں را بہ شیخ علی لالائی غزنویؒ و ایشاں را بہ شیخ مجدالدین بغدادیؒ و ایشاں را بہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ و ایشاں را بہ شیخ عمار یاسرؒ و ایشاں را بہ شیخ ابونجیب سہروردیؒ و ایشاں را بہ شیخ احمد غزالیؒ و ایشاں را دو نسبت است، یکے بہ شیخ یوسف ہمدانیؒ و دیگرے بہ شیخ ابوبکر نساجؒ۔ و شیخ ابوبکر نساج را بہ شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ است و ایشاں را نیز دو نسبت است چناں کہ ذکر شد، یکے بہ شیخ ابوالحسن خرقانیؒ و دیگر بہ شیخ ابوعلی رودباریؒ و ایشاں را بہ شیخ ابوعثمان مغربیؒ و ایشاں را بہ شیخ جنید بغدادیؒ و ایشاں را بہ سری سقطیؒ و ایشاں را بہ معروف کرخیؒ۔ و ایشاں را دو نسبت است، یکے بہ امام علی موسیٰ رضا علیٰ آبائہ الکرامؓ۔ و دیگر بہ داؤد طائیؒ و ایشاں را بہ حبیب عجمیؒ و ایشاں را بہ شیخ حسن بصریؒ و ایشاں را بہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ و امام علی موسیٰ رضاؓ را انتساب بہ پدر خود است امام موسیٰ کاظمؓ و ایشاں را بہ پدر خود امام جعفر صادقؓ و ایشاں را دو نسبت است چناں کہ مذکور شد۔ واللہ اعلم۔

اما انتساب این کمینہ در طریق عشقیہ از دو جانب است، یکے از جانب مخدومی سید عبداللہ البلخیؒ و دیگرے از جناب شیخ محمد قلی است و ایشاں را انتساب بہ قہار شیخؒ و بابا شیخ است و ایشاں را بہ محمد صادق شیخ و ایشاں را بہ ابوالحسن شیخؒ و ایشاں را بہ الیاس شیخؒ و ایشاں را بہ محمد قلی شیخؒ و ایشاں را بہ خدائے قلی شیخ و ایشاں را بہ میر غیاث الدین شیخؒ و ایشاں را بہ بایزید شیخؒ و ایشاں را بہ شیخ قوام الدین بسطامیؒ شیخ بہاءالدین مغربیؒ و این دو عزیز منسوب اند بہ حضرت سلطان العارفین شیخ ابویزید بسطامیؒ و نسبت شیخ بایزید بسطامیؒ الیٰ آخرہٖ مذکور شد۔

اما انتساب این فقیر حقیر در طریقۂ قادریہ و چشتیہ بہ دو عزیز است۔

یکے بہ سید تاج الدین متنیؒ و دیگر بہ سید عبداللہ مکیؒ و این دو عزیز را انتساب بہ شیخ علی منصرؒ (منعبر؟) است و ایشان را بہ شیخ محمد سجاویؒ وایشان را بہ شیخ طاہر بن زیّانؒ و ایشان را بہ شیخ احمد بن موسیٰ البشیشیؒ وایشان را بہ شیخ شہاب الدین زروق وایشان را بہ شیخ ابوالحسن علی البشیشیؒ بہ واسطۂ احمد بن موسیٰؒ مذکور۔

وشیخ ابوالحسن علیؒ را انتساب بہ والدِ خود است شیخ ابوحفص عمرانی علیؒ۔ وایشان را بہ سید مجدالدین ابومحمد صالح الزواویؒ است وایشان را بہ شیخ محمد مخلص طلیبیؒ است وشیخ احمد بن زندہ مرد (؟) واین دو را انتساب بہ شیخ شرف الدینؒ ابن العادل است وایشان را بہ شیخ عبداللہ بن شجاع الدینؒ الفاروقی است وایشان را بہ شیخ جمال الدینؒ بن یوسف بن محمد بن نصیر معدمی است وایشان را بہ شیخ عبداللہ محمدؒ بن ابراہیم عبدالواحد بن سرور المقدسی است وایشان را بہ غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ است وایشان را بہ شیخ ابی سعید المبارکؒ بن علی المخزومی است وایشان را بہ شیخ ابی الحسن علیؒ بن محمد بن یوسف استرش الہکاری است وایشان را بہ شیخ ابوالفرج عبدالرحمنؒ بن عبداللہ الطرطوسی است وایشان را بہ شیخ عبدالواحدؒ بن عبدالعزیز التمیمی است وایشان را بہ والدِ خود شیخ عبدالعزیزؒ است وایشان را بہ شیخ ابی بکر محمد راشبلیؒ است وایشان را بہ شیخ ابی القاسم جنیدؒ البغدادی سید الطائفہ است وایشان را بہ سری سقطیؒ وایشان را بہ شیخ معروف کرخیؒ بتفصیل الی آخر مذکور شد۔
(تا این جا سلسلہ ہای حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ بہ دستخطِ خاصِ ایشان یعنی مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ تفصیل وار گرفتہ شد)

٭٭

اسماء الرّجال (ضمیمے کے اسماء شامل نہیں)

نبیِ کریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

۱۱ - ۱۶ - ۲۳ - ۳۸ - ۴۲
۴۷ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۶ - ۵۸ -
۶۰ - ۶۱ - ۶۲ - ۶۸ - ۷۱ -
۷۴ - ۷۶ - ۷۸ - ۷۹ - ۸۰ -
۸۳ - ۸۴ - ۹۷ - ۹۹ - ۱۰۰ -
۱۰۱ - ۱۰۴ - ۱۰۵ - ۱۱۲ - ۱۱۳ -
۱۱۵ - ۱۱۶ -

خواجہ باقی باللہ قدس سرہ

۸ - ۹ - ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ -
۱۳ - ۱۴ - ۱۵ - ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ -
۱۹ - ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ -
۲۴ - ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ -
۲۹ - ۳۰ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ -
۳۵ - ۳۶ - ۳۷ - ۳۸ - ۳۹ -
۴۰ - ۴۱ - ۴۲ - ۴۵ - ۴۶ -

۴۷ - ۴۸ - ۴۹ - ۵۰ -
۵۷ - ۵۹ - ۶۲ - ۶۴ -
۷۰ - ۷۲ - ۷۶ - ۷۷ -
۸۹ - ۹۰ - ۹۱ - ۹۵ -
۹۷ - ۹۸ - ۹۹ - ۱۰۰ -
۱۰۴ - ۱۱۰ - ۱۱۱ - ۱۱۴ -
۱۱۵ - ۱۱۶ -

امام ربّانی مجدّدِ الفِ ثانی

شیخ احمد سرہندی قدس سرہ

۸ - ۱۲ - ۱۵ - ۱۷ - ۲۰ -
۲۱ - ۲۲ - ۲۳ - ۲۵ - ۲۶ -
۲۹ - ۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - ۳۴ -
۴۴ - ۴۵ - ۴۷ - ۴۸ - ۴۹ -
۵۰ - ۵۱ - ۵۲ - ۵۳ - ۵۶ -

اسماءُ الکتب

اسماء البلاد